



تعلیم دین و تصدیق جبرائیل امین

﴿ حدیث جبرائیل کی فاضلانہ تشریح ﴾

بیچ

شیخ الاسلام علامہ محمد امجد علی دہلوی

محضر درس علامہ سید مرتضیٰ مدنی فی السیرۃ فی ربیع الاول



کُلُّ دَلَالَةٍ إِلَى اللَّهِ

مُرْتَدِّةٌ

سلسلہ اشاعت ۱۱۔۔۔۔۔



تعلیم دین و تصدیق جبرائیل امین

﴿ حدیث جبرائیل کی فاضلانہ تشریح ﴾

شیخ الاسلام والمسلمین

حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی، مدظلہ العالی

جانشین حضور محدث اعظم ہند رحمہ اللہ



گل کوئی اسلام، مٹشیں
ہو جائے اسلام، مٹ جائے

باجازت مندرجہ بالا

’جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ‘

- نام کتاب: ’تعلیم دین و تہذیب جبرائیل ابن‘
شارح: شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد منی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی
پیش لفظ: محمد مسعود احمد سہروردی، اشرفی
کمپیوٹر کتابت: منصور احمد اشرفی
اشاعت اول: شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ بمطابق ستمبر ۲۰۰۳ء تعداد: ۲۰۰۰
اشاعت دوم: سفر ۱۴۲۹ھ / فروری ۲۰۰۸ء تعداد: ۱۰۰۰
ناشر: گلوبل اسلامک میشن، انک
نویارک، یو ایس اے



Published By:



Global Islamic Mission, INC.

P.O. Box 100

Wingdale, NY 12594

U.S.A.

www.globalislamicmission.com

فہرست

﴿ ۱ ﴾	پیش لفظ ----- ۵
﴿ ۲ ﴾	'حدیث جبرائیل' ----- ۱۱
﴿ ۳ ﴾	جو امر پارے ----- ۱۳
﴿ ۴ ﴾	حضور کیلئے مٹی کے چہرے کی تعمیر ----- ۲۸
﴿ ۵ ﴾	حضرت جبرائیل کا لباس بشر میں تشریف لانا ----- ۳۰
﴿ ۶ ﴾	حضور کا حضرت جبرائیل کو پہچان لینا ----- ۳۳
﴿ ۷ ﴾	حضرت جبرائیل کا بارگاہ رسالت میں ادب سے فیضنا ----- ۳۷
﴿ ۸ ﴾	حضرت جبرائیل کا اسلام کے بارے میں سوال کرنا ----- ۴۴
﴿ ۹ ﴾	توحید کا بیان ----- ۴۶
﴿ ۱۰ ﴾	شرک کا بیان ----- ۵۳
﴿ ۱۱ ﴾	محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی شہادت ----- ۵۵
﴿ ۱۲ ﴾	رسالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و صفات حمیدہ کی حامل ہے ----- ۵۷
﴿ ۱۳ ﴾	صلوٰۃ کا بیان ----- ۶۵
﴿ ۱۴ ﴾	زکوٰۃ کا بیان ----- ۶۶
﴿ ۱۵ ﴾	روزہ و رمضان کا بیان ----- ۶۶
﴿ ۱۶ ﴾	حج کا بیان ----- ۶۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

اما بعد

تمام تعریفیں اسی رب کائنات کیلئے ہیں کہ جس نے سب سے پہلے نور مصطفیٰ ﷺ کی تخلیق فرمائی اور اپنے محبوب کے باعث ہم پر اپنی ربوبیت کو ظاہر فرمایا۔۔۔ کہ جس نے ہمیں عدم سے وجود بخشا۔۔۔ اپنی مخلوق میں شامل فرمایا۔۔۔ صرف یہی نہیں بلکہ اشرف المخلوقات بنایا۔۔۔ ایمان والا بنایا۔۔۔ بلکہ اس رب العالمین نے ہمیں امت رحمة اللعالمین بنایا۔۔۔ اس رب کی ہم پر کروڑوں نعمتیں ہیں۔ اپنے حبیب کی بعثت مؤمنین پر اسکی نعمت عظمیٰ ہے۔ شکر ادا کیا جائے تو کیسے اور کس طرح؟۔۔۔ کیا جو کچھ اس مالک نے ہمیں عطا فرمایا ہے اسی کی راہ میں خرچ کر دینے سے کامل شکر ادا ہو جائے گا؟۔۔۔ میری ناقص رائے میں نہیں ہوگا۔ مگر ہم کرم بھی کیا سکتے ہیں۔۔۔ ہم مخلوق ہیں، وہ خالق ہے۔۔۔ ہم کمزور ہیں، وہ طاقت والا ہے۔۔۔ ہم معذور ہیں، وہ قدرت والا ہے۔۔۔ بس اگر وہ مالک دو جہاں، رب کریم ہمارے ناقص طریقوں سے ادا کئے گئے شکرانوں کو قبولیت کا درجہ عطا فرمادے اور دعویٰ ہماری بات بنادے تو یہ اسکا فضل و کرم ہوگا۔۔۔ ہم سب اسی کے محتاج ہیں اور بس وہ ہی غنی ہے۔

البتہ اسکے حبیب سے کی گئی محبت، اسکے رسول کی گنجی غلامی، آقائے دو جہاں کی بھرپور وفاداری، ناموس رسول ﷺ کیلئے دی گئی قربانی اور دین مصطفیٰ ﷺ کیلئے خون تو خون، پسینہ بھی بہا، تو اُس رب کی بارگاہ میں انشاء اللہ مقبول ہے۔۔۔ ہمیشہ کی کامیابی صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے وابستہ ہے۔۔۔ دین ملے گا تو آپ ہی کے در سے۔۔۔ ہدایت ملے گی تو آپ ہی کے وسیلہ سے۔۔۔ عزت ملے گی تو وہیں سے۔۔۔ آبرو رہے گی تو انہی کے کرم سے۔۔۔ کامرانی ملے گی تو آپ ہی کی گلی سے۔۔۔ پارسائی ملے گی تو آپ ہی کی خاک پا سے۔۔۔ چین، سکون، آرام جو چاہو ملے گا تو ملے گا گنبد خضراء کے کیس سے۔۔۔ آئیے اور

لُٹے۔۔۔ لُٹ لُٹ کر تھک جائیں گے مگر یہاں کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔۔۔ آئیے محبوب رب دو جہاں کی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے خود بھی دینِ متین کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کریں اور دوسروں کو بھی نیکی کرنے اور برائیوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے اپنے کورج و ذیل آیت مبارکہ کا مصداق ٹھہرائیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔۔۔ بالغ

﴿احزاب: ۷۱﴾

تم ان ساری امتوں میں بہتر ہو جو کوئی کیلئے ظاہر ہوئیں کہ بھلائی کا تو تم حکم دو اور برائی سے روکو۔۔۔

رب تبارک و تعالیٰ کا پیغام غیر مسلموں تک پہنچانے کیلئے اور حبِ مصطفیٰ ﷺ کو مسلمانوں میں عام کرنے کیلئے اور جو فتنے دین میں کارگزاری کر رہے ہیں، انکے سیلاب کو روکنے کی کوشش کرنے کیلئے ہی، گلوبل اسلامک مشن کا قیام، نیویارک، امریکہ میں غل میں لایا گیا تھا۔ مالک دو جہاں کے کرم سے، حبیب کبریا ﷺ کے فضل اور بزرگانِ دین کی توجہ اور کرم نوازی سے یہ ادارہ پر خلوص امانت میں اپنے مقاصد حاصل کرنے میں پوری طرح کوشاں ہے۔

الہدیت کی مساجد کی خدمت، مذہبی پروگراموں کا انعقاد، مدرسوں کے قیام کی کوششوں کے علاوہ بزرگانِ دین و مسلک کی تعینات کا پچھلا ڈاور انکے انگلش میں تراجم، جن سے اسلام کی ترویج و اشاعت ہوئی ہو، شائع کرنا اس مشن کا مقصدِ عظیم ہے۔ یہ کتاب ہمارے اشاعتی سلسلے کی گیارھویں کڑی ہے۔ ہماری بھائی مطبوعات کی تفصیل پیچھے کے کور پر ملاحظہ فرمائیے۔

زیر نظر کتاب ’تعلیم دین و تصدیق جبرائیل‘، مشہور حدیث، حدیث جبرائیل کی مفصل شرح ہے، جسے رئیسِ احققین، شیخ الاسلام و المسلمین، پیر طریقت، رہبر شریعت، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی نے تلمیذِ مرفعیہ فرمایا ہے۔

☆ آپ خاندانِ اشرفیہ کے وہ چشم و چراپ ہیں کہ جس نے اس خاندان کی اشریت کو مزید اشرف بنا دیا ہے۔ بقیۃ السلف، خیر الانبیاء، شیخ الحدیث ابو الفتح حضرت علامہ مفتی نصر اللہ خان صاحب افغانی، دستِ برکاتِ عالیہ فرماتے ہیں ’اس خاندان کے ہندوستان پر بہت احسانات ہیں‘۔

☆ آپ سندِ اہلِ عظیمین، رئیسِ اہلِ عظیمین، مفسرِ قرآن، مبلغِ اسلام، حضورِ محدثِ اعظم ہند حضرت علامہ سید محمد کچھوچھوی مدظلہ العالی کے جانشین ہیں، کچھ جنہوں نے مسلکِ حق کی ترویج و

اشاعت کیلئے اپنی حیات کا ایک لمحہ وقف کر رکھا تھا۔

☆ شیخ الاسلام کی محققانہ تصنیفات کو دیکھتے ہوئے، غزالی دوراں، امام اہلسنت، مفسر قرآن، حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ نے آپ کو رئیس محققین کے خطاب سے نوازا۔

☆ آپ محدث اعظم مشن کی روح رواں ہیں کہ جس مشن کی شاخیں ہندوستان سے برطانیہ تک پھیلی ہوئی ہیں اور دین اسلام کی پر غلوں خدشات انجام دے رہی ہیں۔ اسکے علاوہ آپ کے فیض کرم سے فیضیاب ہو کر سینکڑوں علمائے اہلسنت، لاکھوں مریدین و معتقدین، جو آپ سے نسبت کو اپنے لئے ایک اعزاز سمجھتے ہیں، دنیاۓ اسلام میں جگہ جگہ سواو اعظم اورتق کی پاسداری میں دن رات ایک کئے ہوئے ہیں۔

انہیں مریدین، معتقدین و یمنین کی جماعت میں اس مشن کے سارے کارکنان بھی شامل ہیں۔ حضرت سے ہماری پہلی ملاقات، بلکہ یوں کہئے کہ حضرت کے جلوؤں پر ہماری پہلی نظر، شکاگو، امریکہ میں میلاد کے ایک عظیم الشان جلسے کے دوران پڑی، جبکہ آپ اسٹیج برواق افروز تھے اور ہم حیران سامعین کی آخری صف سے اچک اچک کر حضرت کی طرف متوجہ تھے اور سوچتے جاتے تھے کہ اس سے پہلے کی ہماری ۳۰ سالہ زندگی بے کاری گزر گئی کہ اس بزرگ ہستی سے واقفیت نہ تھی۔

اپنے مفرد انداز میں حضرت، خطاب کے شروع میں اپنے اشعار سے سامعین کو نوازتے ہیں۔ بس انہیں اشعار نے ہمیں حضرت کا گرویدہ بنادیا۔ ہم ایک ہزار میل کا سفر طے کر کے بائی روڈ، نیویارک سے شکاگو، اس جلسے میں شرکت کیلئے گئے تھے، کہ جسکی اطلاع مسعود ملت، ماہر رضویات، حضرت علامہ ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مدد اعلیٰ نے ہمیں دی تھی۔ حضور ﷺ الاسلام کی دست بوسی کا موقع اس جلسے میں تو ہمیں نصیب نہ ہوسکا اور ظاہری فاصلے بھی جوں کے توں رہ گئے اور ہم ناکامی و قسمت کو لیکر نیویارک واپس آگئے۔ مگر پورے ایک سال بعد جب حضرت پھر امریکہ تشریف لائے تو ہمارے اجڑے ہوئے چمن میں بہار آگئی اور نہ صرف یہ کہ دست بوسی کا موقع ملا، بلکہ تقریباً ۱۰ روزہ حضرت کے قیام کے دوران حلیف کنٹریکٹر صاحب کی مہربانیوں کی وجہ سے کافی وقت حضرت کے ساتھ گزارنے کا موقع نصیب ہوا۔

بس پھر کیا تھا حضرت کی نظر کیسے پھیل اٹھنے اپنا کام کیا اور ہماری قسمت کا ستارہ ترقیوں کی منزلوں کی طرف گاڑا ہو گیا اور آج دین اسلام اور مسک حقہ کی خدمت کے سوا کوئی اور سودا دل و دماغ میں نہیں سانساتا۔ حضرت نے اپنی تصنیفات کی اشاعت کی اجازت ہمیں عطا فرمائی اور اپنے والد بزرگوار کو کارتر جمع قرآن و تفسیر (پہلا پارہ) کی اشاعت بھی ہمیں مرحمت فرمایا۔ اپنی دعاؤں میں ہمیں شامل حال رکھا۔ اور یوں ہم ۷ برس کے قلیل عرصے میں حضرت کے فیض سے فیضیاب ہوتے رہے۔

اب ہمیں زیر نظر حدیث، یعنی حدیث جبرائیل کی مفصل شرح جسکے شارح شیخ الاسلام حضرت مدنی صاحب ہیں، کی اشاعت کا شرف بھی حاصل ہو رہا ہے۔ اس سے قبل کی اشاعتوں میں ہم اپنے قارئین کے گوش گزار کر چکے ہیں کہ ۱۹۷۱ء میں حضور شیخ الاسلام نے ’تفہیم اللہ بیٹ‘ کے عنوان سے حدیث کی مشہور و معروف کتاب ’مشکوٰۃ شریف‘ کی مفصل شرح لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تھا جو بطور ماہنامہ ’المیزان‘ میں ہر ماہ پابندی سے چھپنے لگا۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک ’المیزان‘ نکلتا رہا۔ ’المیزان‘ کے بند ہو جانے کے بعد حدیثوں کی شرحیں لکھنے کا سلسلہ بھی موقوف ہو گیا۔۔۔ زیر نظر حدیث، ان میں سے ایک ہے۔ اس سے پہلے ہم ’حدیث نبی‘ اور ’حدیث محبت‘ کی شرحیں علیحدہ علیحدہ اپنے قارئین کی نظر کر چکے ہیں۔ انشاء اللہ بہت جلد ہی باقی حدیثوں کی شرحیں لکھا کر کے مجموعے کی شکل میں اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔

’حدیث جبرائیل‘ ایک، بہت ہی مشہور و معروف حدیث پاک ہے جو دین اسلام کے تمام بنیادی اصولوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اسکا جاننا ہر مسلمان کیلئے نہایت ہی ضروری ہے تاکہ وہ اپنے دین پر کسی مذہب یا دھوکے، عمل کر کے داریں کی فلاح حاصل کر سکے۔

حضور شیخ الاسلام نے نہایت ہی مفصل شرح تحریر فرماتے ہوئے حدیث کے ایک ایک لفظ کی سیر کرائی ہے اور شرح کا شکار ہوئے بغیر حدیث کے سلسلے میں تحقیق کا حق کامل طور پر ادا کیا ہے۔ حدیث شریف اور اسکے الفاظ و پیغام کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت نے ۱۵۳ نکات بیان فرمائے ہیں جن میں سے شروع کے ۵۹ نکات ’فہمۃ للمعانی‘ سے ماخوذ ہیں۔ جنہیں جواہر پاروں کے عنوان سے رکھا گیا ہے۔ ہر ہر نکتے کو صاف صاف دلیلوں سے واضح فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت نے تقریباً ۴۰ آیات مبارکہ، ۲۵ سے زائد دوسری چھوٹی بڑی احادیث شریفہ، اور محدثین کرام کے سینکڑوں اقوال رقم فرمائے ہیں۔ بعض نکات کو بیان فرماتے ہوئے حضرت نے ضمن میں کئی کئی مضامین بیان فرمادیئے ہیں جن سے حدیث کا مطلب و منشا مکمل کر سامنے آ جاتا ہے۔۔۔۔۔

رب ذوالجلال کی وحدانیت کی گواہی کا ذکر ہو یا رسول اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کی شہادت کا معاملہ ہو، خدا کی ذات و صفات اور توحید کی تمام قسمیں ہوں یا انکی تمام تر گہرائیوں کا بیان ہو، رسول ﷺ کی صفات و کمالات کا تذکرہ ہو یا رسالت کے تمام گوشوں کی تفصیل اور انکی شہادت کے بارے میں بیان ہو، اللہ رب العزت کے احکامات کی پابندی کا معاملہ ہو یا رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کا ذکر ہو یا ان کو عظیم بنانے کا معاملہ اور انکے فیصلے کو دل سے ماننے کی ضرورت کا بیان ہو، مالک کے ذاتی علم کی بات ہو یا رسول خدا کے علم غیب عطائی کیلئے دلائل ہوں یا آپ کے علم کی وسعت کو بیان کرنا مقصود ہو۔۔۔۔۔

بارگاہ رسالت آپ میں حضرت جبرائیل کے ادب سے بیٹھے کا بیان ہو یا صحابہ کرام اور مؤمنین کیلئے آداب مجلس رسول کا ذکر ہو۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بشری صورت میں آنے کی وضاحت ہو یا ان کے دوسرے احوال کا ذکر یا نبی کریم کا ان کو پہچاننے کا تذکرہ ہو۔ شرک جلی کی تفصیل ہو یا شرک خفی کی۔ نبوت و رسالت کا بیان ہو یا ان کے درمیان فرق کی پہچان کرانی ہو۔ حقیقت اسلام، حقیقت ایمان اور حقیقت احسان کی وضاحت مقصود ہو یا اسلام کے پانچ ارکان اور ان کے فوائد و مقصد کرنا ہوں۔ ایمان بالمالائکہ ہو یا ایمان بالرسول۔ ایمان بالکتاب ہو یا ایمان بالآخرت ہو یا قضا و قدر کی پیچیدگیوں کا بیان ہو۔ نماز کو اسکے حلقہ حقوق کے ساتھ ادا کرنے کی ضرورت کا بیان ہو یا صوم و رمضان کے تعلق سے تمام تفصیلات کی وضاحت ہو۔ زکوٰۃ کا سمجھنا مقصود ہو یا حج کے تمام معاملات کی عقدہ کشائی منظور ہو۔۔۔۔۔ الفرض۔۔۔۔۔ پیشتر معاملات کی تفصیل کو مکمل دلائل اور خوبصورت مثالوں سے واضح فرما کر حضرت نے اس شرح کو بے مثال بنا دیا ہے۔

بہر حال، یہ آپ ہی کا خاصہ ہے کہ ایک حدیث کی شرح کے ضمن میں بے شمار نکات اور

محاملات کو اس طرح پرو دینا کہ مطلب و مقصد سے بھی نہ بٹے اور قارئین حدیث شریف کے الفاظوں کی گہرائیوں میں اترتے چلے جائیں۔ ہم حضرت سے اپنی اس درخواست کا اعادہ کرتے ہیں کہ آپ اپنی مصروفیات سے قیمتی وقت نکال کر حدیثوں کی شرحیں تحریر فرمانے کا دوبارہ آغاز فرمادیں تاکہ حدیث نبیؐ اور حدیث محبت اور زیر نظر حدیث، حدیث جبرائیل کی طرح دوسری مشہور و معروف حدیثوں کی شرحیں بھی عوام و خواص کیلئے ایک علمی خزانے کی شکل اختیار کر لیں۔ اور کلام اللہ کے ساتھ ساتھ کلام رسولؐ کی منشا کو سمجھنے میں بھی آسانی ہو سکے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ شارح بعد اصالٰی کی صحت و عمر میں برکت عطا فرمادے تاکہ آپ کا علمی و روحانی فیض تادیر جاری و ساری رہے ﴿آمین﴾

یہ پیش لفظ اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب اس کا دوسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے اسکے علاوہ حضرت ہی کی ’الاربعین الاشرنی‘ (چالیس احادیث کی مفصل شرح) بھی اسی ادارے سے شائع ہو چکی ہیں۔ جسکے لئے ہم اللہ رب العزت کے بے انتہا شکر گزار ہیں۔

ہم جناب علامہ محمد فخر الدین علوی اشرفی صاحب کے بے حد ممنون ہیں کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس شرح کی لفظ بلفظ پر وف ریڈنگ اور تصحیح فرمائی۔ منصور احمد اشرفی بھی الائق صد تحمیں ہیں کہ اس کی کتابت اور کوڑ ڈیزائن میں اپنا قیمتی وقت صرف کیا۔ آخر میں ہم اپنے قارئین سے التماس کرتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے دعائے خیر فرمائیں کہ اللہ رب العزت دین کی اس خدمت قلیل کو شرف قبولیت بخشے ہوئے ہمارے لئے اسے آخرت کا توشہ بنادے۔ اور ہمیں دین اسلام اور مسلک حق کی پیش از پیش خدمت کرنے کے مواقع عطا فرمائے۔

آمین، بجاہ النبی اکرم والہ واصحابہ اجمعین

احقر ابو منصور

جیز مین

محمد مسعود احمد سہروردی اشرفی

گولڈ اسلامک مشن، انک

نیویارک، یو ایس اے

خطبہ ۱۴۲۷ھ بمطابق دسمبر ۲۰۰۶ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حدیث جبرائیل

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ ثِيَابٍ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يَرَى عَلَيْهِ أَثَرَ الشَّعْرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِمَّا خَلَدَ حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَيْهِ عَلَى فَخْذَيْهِ وَقَالَ يَأْمُرُكُمْ لِأَخْبَرْتُنِي عَنِ الْإِسْلَامِ قَالَ الْإِسْلَامُ أَنْ تُشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْ تُحَمَّدَ رَسُولَ اللَّهِ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتُحِجَّ الْبَيْتَ إِنْ امْتَنَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا قَالَ صَدَقْتَ فَعَجَبْنَا لَهُ بِسُئْلِهِ وَيُضْلِعُهُ قَالَ فَأَخْبَرْتُنِي عَنِ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَأَخْبَرْتُنِي عَنِ الْإِحْسَانِ قَالَ أَنْ تُحِبَّ اللَّهَ كَمَا أَنْتَ كَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تُحِبَّ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَمُرُكَ قَالَ فَأَخْبَرْتُنِي عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا أَلْمَسْتُ لَوْ أَنَّهَا عَلِمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَأَخْبَرْتُنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا قَالَ أَنْ تَلِدَ الْأُمَةُ رَجُلًا وَأَنْ تَرَى الْخُفَاةَ الْغُرَاةَ الْعَالَةَ زُعَاةَ الشَّيْبِ يَتَطَلَّوْنَ فِي الْبُيُوتِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِي يَا مُحَمَّدُ أَتَدْرِي مَنْ السَّائِلُ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ بِمِلَّةِكُمْ دِينِكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ أَبُو هُرَيْرَةَ مَعَ إِنْخِلَافٍ وَفِيهِ وَآذَانُ ثَلَاثِ الْخُفَاةِ الْغُرَاةِ الصُّمُّ الْبُكْمُ مُلُوكُ الْأَرْضِ فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ قَرَأَ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُخَوِّلُ الْغَنِيَتِ الْأَتَمَةَ

﴿متفق علیہ﴾

حضرت محمد بن حنبلہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک دن ہم لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر تھے، اسی اثنا میں ناگاہ ایک شخص نے نہایت ہیبت و دلالت کی شان لئے ہوئے ہم پر ظاہر ہوا۔ جیسا کہ آقا و نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہایت مفید اور پال بہت ہی کالے تھے اس پر سزا کا اثر (مشافہ) ہاں کہ غبار

آلودگی رنگ و روپ کی مثلنگی و سستی اور جھکن وغیرہ) نمایاں نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ اسی شہر کا آدمی ہے اور حال یہ تھا کہ ہم میں سے کوئی اسے پہچان نہیں رہا ہے۔ یعنی وہ اس شہر کا نہ تھا اور نہ ہم میں سے کوئی نہ کوئی اس کو پہچان لیتا۔ یہاں تک کہ وہ نزدیک آ کر آنحضرت ﷺ کے سامنے آپ کی طرف مائل و متوجہ ہو کر بیٹھ گیا۔ جیسا کہ معظم معظم کے سامنے بیٹھتا ہے اور اپنے دو زانوؤں کو آنحضرت ﷺ کے دو زانو سے ٹیک دیا یعنی متحمل کر لیا۔ اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اپنی دونوں رانوں پر رکھ دیا۔ اور کہا اے محمد ﷺ مجھے بتائے کہ اسلام کی حقیقت کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حقیقت اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ خدا کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور گواہی دے کہ محمد ﷺ یقیناً اللہ کے رسول ہیں جنہیں تبلیغ احکام کیلئے مخلوق خدا کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ اور یہ کہ نماز اس کے جملہ حقوق کا ساتھ داکر سے اور یہ کہ کھانا کروزہ رکھے اور یہ کہ بیت اللہ کا حج کرے، اگر حج کرنے کی طاقت رکھے۔ (یہ سن کر) اس نے والے والے کہا، آپ حج فرماتے ہیں۔ (حضرت عمر فرماتے ہیں) ہمیں اس کی بات سے نہایت حیرت ہوئی کہ خود ہی سوال کرتا ہے اور خود ہی تصدیق کرتا ہے اس نے والے والے کہا جب آپ نے اسلام کی حقیقت واضح کر دی ہے تو اب ایمان کی حقیقت سے بھی باخبر کر دیجئے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حقیقت ایمان یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے فرشتے، اس کے رسولوں اور روز آخرت کی تصدیق کرے اور تقدیر کے خیر و شر کی تصدیق کرے۔ آنے والے والے کہا، آپ نے حج فرمایا، پس خبر دیجئے کہ احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حقیقت احسان یہ ہے کہ تو خدا کی اس طرح عبادت کرے کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہیں ہو تو کم از کم یہ خیال کرے کہ خدا تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا آپ نے حج فرمایا۔ اب قیامت کے وقت کی بھی خبر دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ رسول مینا کو اس بارے میں سائل سے یعنی تجھ سے زیادہ علم نہیں۔ اس نے کہا تو اس کی نشانیوں کی خبر دیجئے۔ آپ نے فرمایا علامات قیامت میں سے ایک علامت یہ ہے کہ بائیں اپنے اہلک اور آقا کو جسے گی اور تو دیکھے گا کہ ٹھٹھے پھاؤں، ٹنگے بڈن، حتماً لوگ اور جبرائیل چرانے والے مخلوق میں ایک دوسرے سے پفر کر دیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اس گفتگو کے بعد وہ شخص رخصت ہو گیا۔ میں بہت دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ (یعنی سرکار سے یہ نہیں پوچھا کہ کون ہیں) پھر خود آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عمر! کیا تجھے خبر ہے کہ یہ سوال کرنے والا کون تھا۔ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے والا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ جبرائیل تھے، جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے کہ جب تو ٹھٹھے پاؤں والوں، ٹنگے بڈن والوں، اور گنگولوں اور ہرول کو حکومت کرنے والا دیکھے۔ قیامت کا علم ان پانچ باتوں میں سے ہے جہاں علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ پھر آپ نے تلاوت فرمائی:

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَنْزِلُ الْعَذَابِ

جواہر پارے

۱۔۔۔ حدیث مذکورہ کا نام ’حدیث جبرئیل‘ ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں سائل سیدنا جبرئیل علیہ السلام ہیں، لہذا اس کو حدیث جبرئیل کہہ دیا گیا۔ اس کا دوسرا نام ’ام الا حادیث‘ اور تیسرا نام ’ام الجوامع‘ ہے، اسلئے کہ احادیث سے جتنے علوم کی تعلیم ہوئی ہے۔ یہ حدیث ان تمام علوم پر مشتمل ہے۔ جس طرح فاتحہ الکتاب کو بھی ام القرآن اور ام الکتاب کہتے ہیں، اسلئے کہ یہ سورہ مبارکہ قرآن کریم کے جملہ معنی و مقاصد کو حضمین ہے۔

۲۔۔۔۔۔ جملہ ائمہ حدیث اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں۔ بخاری و مسلم اور دوسرے ائمہ کرام نے اپنی کتابوں میں مختلف صحابہ کرام کے طریق سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔
۳۔۔۔۔۔ حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کے بعد، جو جملہ طاعات و عبادات کی اصل الاصول ہے، اس حدیث کو کتاب الایمان (مکتوۃ شریف) میں اسلئے ذکر کیا کہ یہ حدیث دین کے جملہ اصول و فروع پر مشتمل ہے۔

۴۔۔۔۔۔ فَاسْتَنْدِ رُكْبَتَيْهِ اِلَى رُكْبَتَيْهِ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت سے اتصال و قرب میں مبالغہ فرمایا تا کہ دونوں جانب سے سوال و جواب کا سننا سنانا آسان ہو جائے۔ یا اس کی وجہ کمال و ولاد و محبت اور عایت و مواسات تھی جو ان کے مابین تھی۔

۵۔۔۔۔۔ وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخْذَيْهِ اس کا ایک مطلب وہ ہے جو ترجمہ میں گزرا کہ حضرت جبرئیل نے اپنی ہتھیلیوں کو اپنی دو ٹوں رانوں پر رکھا، جیسا کہ صورت ادب اور محفلین کا طریقہ ہے۔ یہ بظاہر حضرت جبرئیل کے آنے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہونے، اور آپ کے سامنے بھروسہ و تعظیم بخشنے کے زیادہ مناسب ہے۔ لیکن روایت نسائی میں بصراحت یہ آیا ہے۔۔۔۔۔ خَشِيَ وَضَعَ يَدَيْهِ اِلَى رُكْبَتَيْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔۔۔ لہذا اس کے پیش نظر زیادہ رائج یہ ہے۔۔۔ وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخْذَيْهِ۔۔۔ کا ترجمہ و مطلب یہ بیان کیا جائے کہ رکھا آنے

والے نے اپنے دونوں کف دست، آنحضرت ﷺ کی دونوں رالوں پر، آپ کی تمکین و تثبیت کیلئے تاکہ آپ کلام کو بغور سماعت فرمانے اور اس کے سمجھنے اور سمجھانے میں حاضر و ثابت رہیں۔ اور مسائل کی طرف آپ کی توجہ کامل اور غایت التفات رہے۔

حضرت جبرئیل، گویا ہر سائل و متعلم کی صورت میں تھے، لیکن درحقیقت وہ حاضرین کو دین کے احکام سناتے اور ان کی تعلیم کیلئے آئے تھے، جیسا کہ آخر حدیث سے معلوم ہو جائے گا۔ لہذا وہ معلم ہونے اور حضور ﷺ پر حق تعالیٰ کی جانب سے ملحق علم ٹھہرے۔ حضرت جبرئیل کی طرف تعلیم کی اسناد قرآن مجید میں واقع ہے۔ فرمایا گیا ہے:

عَلَّمَہُ شَدِیدُ الْقُوٰی ۱۰ وَ مَرَّوۃٌ ﴿سورۃ النجم: ۲۰، ۵﴾

سکھایا اسکو سخت قوتوں والے، طاقتور نے ﴿معارف القرآن﴾

﴿واللہ اعلم﴾

۶۔۔۔۔۔ انخبرنی عن الاسلام: بطیب خاطر و بے رضاور غبت کسی کی فرماں برداری کرتا اور اسکے آگے گردن جھکا تا اور اسکے سامنے فروتنی و عاجزی کا اظہار کرتا اور بغیر کسی اعتراض و سرکشی کے، اسکے حکم کے آگے سر تسلیم جھکا دینا۔ یہ ہے لغت میں اسلام کے معنی۔ اور شرع میں اسلام، احکام الہی کی اطاعت اور اسکے آگے سر نیا زخم اور دین اسلام کے ارکان خمسہ کے بجالانے کو کہیں گے۔

۷۔۔۔۔۔ اسلام نام ہے ظاہر اعمال کا، ایمان باطن اعتقاد کا، اور دین اسلام و ایمان کے مجموعہ کا۔

۸۔۔۔۔۔ باب عقائد میں اسلام و ایمان کو ایک کہا گیا ہے۔۔۔۔۔ بایں معنی۔۔۔۔۔ کہ ہر مومن مسلم ہے اور ہر مسلم مومن۔ کسی مسلمان سے ان دونوں میں سے کسی ایک کی بھی نفی نہیں کی جاسکتی اور درحقیقت اسلام، ایمان کا شہرہ اور اس کی فرع ہے۔

۹۔۔۔۔۔ الاسلام ان تَشَہَّدَ۔۔۔۔۔ الخ حق تعالیٰ کی وحدانیت اور سرکار عربی کی رسالت کی گواہی دینا اسلام کے جملہ ارکان سے پہلا رکن ہے۔ ظاہر حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ لفظ شہادت کا نظم شرط اسلام ہے۔ تو اگر کوئی ’اشہد‘ کی جگہ ’اعلم‘ کہے تو مسلمان نہ ہوگا۔ لیکن یہ امر ثابت شدہ ہے کہ بسبب ضرورت دینی اگر صرف لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہی تصدیق قلبی کے

۱۵۔۔۔ نَجِجُ الْبَيْتَ: خانہ کعبہ کا قصد کرنا اور وہاں پہنچ کر مناسک حج ادا کرنا، اصطلاح شرع میں، حج کہلاتا ہے۔

۱۶۔۔۔ بانی اِسْطِغْنٰثِ الْیَہِ سَیْیَلَا: علم اُکھارے کے نزدیک سلامتی کی راہ کے ساتھ ساتھ زور و راہِ حلہ کی فراہمی کو اِسْتِغْنٰث کہیں گے۔ سلامتی کے راہ کے سلسلے میں غالب احوال کا اعتبار کیا جائے گا۔ لہذا درمیانِ راہ میں رد یا کا وجود راہِ سلامتی کے معافی نہیں۔ اسلئے اگر موسمِ خُشکوار ہو تو رد یا میں سلامتی کے توقعات غالب ہیں۔ صحابہ و کرام نے بھی جہاد کھینچنے کا سفر اختیار فرمایا ہے، توجہ کیلئے یہی اسکے جواز میں کوئی شک نہیں۔ لہذا وجودِ راہِ خُریصت کو ساقط نہ کریگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ وہ شخص شہیدوں میں سب سے زیادہ فضیلت والا ہے جو کشتی میں ڈوب کر شہید ہو، نیز آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسوں کی ارواح بے واسطہ ملک، قبض فرماتا ہے۔

۷۔۔۔ حضرت امام مالک کے نزدیک اس شخص پر حج فرض ہے جو بیدل چل سکتے کی قوت و توانائی رکھتا ہو۔

۱۸۔۔۔ فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُجَلِّدُهُ: پوچھنا اور سوال کرنا، بظاہر جہل و نادانی پر اسناد ہے اور تصدیق کرنا علم باجمری کی طرف مشعر و مشیر۔ لیکن درحقیقت تعجب کا مقام نہیں ہے اس لئے کہ وہ سوال کرنے والے حضرت جبریل علیہ السلام کی تعلیم و تائید کر کے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تھے تاکہ وہ رسول کریم ﷺ سے سوال کریں اور آپ جواب دیں اور صحابہ و کرام میں اور پھر نئے طور سے اس کو وہ ذہن میں محفوظ رکھیں۔ یہ ساری باتیں آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ کے آخری عہد کی ہیں۔

[illegible]

۳۶۔۔۔۔۔ بعض روایتوں میں ایمان کے سوال و جواب کے ذکر سے پہلے اسلام سے متعلق سوال و جواب مذکور ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ایمان، اصل اسلام ہے اور اس پر مقدم ہے۔ یہاں کہ تحقیق ہو چکی ہے۔ لیکن اس روایت میں اسلام کو ایمان پر مقدم کیا۔ الاولنی فالاولیٰ کے اصول پر ارتقائی منازل کی نشاندہی کرانے کیلئے پیشک ایمان اسلام سے اونیام مرتبہ رکھتا ہے۔ تحقیق ایمان کے بعد احسان کے بیان کا آغاز کیا جو اسلام اور ایمان کا ’مرتبہ تکمیل و تجزیہ‘ ہے جس کا اعلیٰ مراتب، اور اعلیٰ مقامات سے ہونا ظاہر ہے۔

۳۷۔۔۔۔۔ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ: چونکہ بہت سی آیات و احادیث میں احسان کا ذکر آیا ہے جن سے اس کے درجہ، عالی اور مرتبہ، کمال پر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ لہذا اسلام و ایمان کے معنی کو دریافت کر لینے کے بعد حقیقت احسان کا بھی سوال کیا تاکہ اس مرتبہ کا مکمل ظاہر واضح ہو جائے۔

۳۸۔۔۔۔۔ احسان کے معنی نیکی اور حسن سلوک کرنا۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

- ۱۔ انعام و اکرام کے ذریعے لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔
 - ۲۔ خود اپنے نفس کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرنا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ نیک افعال اور اچھے اعمال کو اپنی عملی زندگی میں کما حقہ پوری محنت اور کامل حسن و خوبی کے ساتھ داخل کر لیا جائے، گویا یہ بھی اپنے نفس پر ایک احسان ہے۔ اگر کوئی اس کے خلاف روش بنائے ہوئے ہے تو وہ اپنے نفس کے ساتھ برائی اور اس پر ظلم کر رہا ہے۔
- احسان کی اس دوسری صورت کا حاصل یہ ہے کہ اپنی جملہ عبادات میں اخلاص، حضور اور شروع کو لازمی سمجھا جائے اور درحقیقت یہ شرط کمال بلکہ ایمان و اسلام کی محنت کی علامت ہے۔
- ۳۹۔۔۔۔۔ اَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ تَحَدُّثِكَ قَرَاه: پیشک جس کا یہ حال ہو گا وہ ایسے مقام پر ہو گا جہاں نہایت ہیبت، تعظیم، اجلال، شروع و حضور، حیا، زوق، محبت، انجذاب اور والہانہ وارفتگی کے جواہر تابناک ہوں گے۔ یہ مقام مشاہدہ ہے اور دریائے ذوق و حضور میں استغراق کی منزل ہے۔

۴۰۔۔۔۔۔ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ قَرَاه فَاِنَّ يَزَاكَ: یہ درجہ پہلے درجہ سے کم ہے۔ اس صورت میں بھی خوف و خشیت، حرکات و سکنات میں احتیاط، افعال و اعمال کی پوری رعایت اور ان کا حفظ

وضبط ادب و علمانیت اور دانش کا یہ عالم تھا کہ ایک بائیس کی طرف متوجہ نہ ہونا لازمی امور سے ہیں۔ جیسے کہ بادشاہ کے حضور میں کوئی حاضر ہو اور بادشاہ اس کا حافظ اور نگہبان ہو اور اس کے احوال کا مشاہدہ فرمانے والا ہو، تو صرف بادشاہ کی موجودگی اور اس کے مشاہدہ کرنے کا یہ تصور ہی حاضر باش کی آزادی و ترک ادب کی راہ کو سدھو کر دیتا ہے۔ ---- بائیس ہمہ ----- جو خود جمال بادشاہ کا ناظر و مشاہد ہو اسکا حال ہی دوسرا ہوتا ہے اور اسے حضور کی لذت ہی کچھ اور ہے کہ اسکے اوپر کسی اور لذت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

۴۱۔۔۔ سید العابدین، اما العارفين، حضور آیت رحمت ﷺ کا ارشاد کہ:

جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ ﴿الحديث﴾

۔۔۔ اسی مقام اول کی آواز ہے جو تمام عابدوں کے مقامات سے بالاتر اور کامل تر ہے۔ ثم فثم

۴۲۔۔۔۔۔ جملہ طاعات و عبادات کی تین منزلیں ہیں:

(۱)۔۔۔ صرف واجبات کی ادائیگی سے اپنے کو بری الذمہ کر لیا جائے، ایسا کہ

قضا واجب نہ ہو۔

(ب)۔۔۔ احکام، ارکان، شرائط اور آداب کو اس طرح بجالایا جائے جو اللہ کی

رضا اور ثواب کے ترتیب کا سبب ہو۔۔۔۔۔ نیز۔۔۔۔۔ عبادت و بندگی کے ذوق سے باطن بھر پور ہو جائے۔

(ج)۔۔۔ عبادت گزار اور طاعت شعار، مشاہدہ معبود اور اس کی ذات اقدس کے حضور میں مستغرق ہو جائے۔ نماز میں جو افضل عبادات اور اکمل قربات ہے، ذات قدسہ الہیہ سے ایک محاذات معنوی حاصل ہے۔ باطن جس کی نورانیت سے منور ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت بغیر ذوقِ کامل نہیں حاصل ہو سکتی۔

۴۳۔۔۔ اس حدیث شریف سے آخرت میں رویت باری کا استنباط کیا جاسکتا ہے۔

دنیا میں مادی آلائشیں اور جسمانی حجابات، اس نعمت عظمیٰ سے محرومی کا سبب ہیں۔ جب یہ حجابات اٹھ جائیں گے تو کسٹھک تراہ انک تراہ ہو جائے گا، جیسا کہ آخرت کے لمحے میں واقع ہوا کہ:

سَتَرُونَ رُبُّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (الحدث)

--- اسی لئے حدیث رویت میں یہ وصیت بھی کی گئی ہے کہ دن کی پہلی اور آخری نماز کی محافظت کی جائے۔ اسلئے کہ جنت میں رویت باری تعالیٰ کے سبکی اوقات ہیں اور انہیں اوقات میں قوت بصیرت کو مشاہدہ جدیدہ سے نوازا جاتا ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ ان وقتوں کی نمازوں کی محافظت، شہود ذات کا ملکہ بہم پہنچائے اور رویت بصری میں استعداد و صلاحیت کا مل طور پر پیدا کر دے۔

۴۳۔۔۔ دین کا حق اور اس کا کمال، فقہ، کلام اور تصوف پر ہے۔ اس حدیث شریف نے ان تینوں کو بیان فرمادیا۔ اسلام سے اشارہ فقہ کی طرف ہے جو تمام اعمال و احکام شرعیہ پر مشتمل ہے۔ ایمان سے اشارہ اعتقادات کی طرف ہے جو علم کلام کے مسائل ہیں۔ اور احسان سے اشارہ اصل تصوف یعنی ’صدق توحید الی اللہ‘ کی طرف ہے۔ تصوف کے وہ جملہ معانی جن کی طرف مشائخ کرام نے اشارے فرمائے ہیں وہ سب اسی اصل کی طرف راجع ہیں۔

۴۵۔۔۔ یہ تینوں علوم ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں ان میں کوئی بھی اپنے غیر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا کیونکہ کلام بغیر تصوف اور تصوف بغیر فقہ کے حصول کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ علم الہی بغیر فقہ پہنچا نہیں جاسکتا اور فقہ بغیر تصوف مکمل نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کہ عمل بغیر حقی اور کمال توحید کے نامکمل ہے۔ اور دونوں یعنی فقہ و تصوف بغیر ایمان جو علم کلام کے مباحث سے ہیں صحیح نہیں۔ انکی مثال میں جسم و روح کے تعلق کو دیکھ لیجئے۔ ایک کا بغیر دوسرے کے وجود نہیں ہو سکتا۔ اور نہ وہ کمال حاصل کر سکتا ہے۔

اسی لئے حضرت امام مالک طبرہ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ، فَقَدْ تَزَلَّزَقَ، وَمَنْ تَفَقَّهَ، وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ
وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ

--- اسی کا نام کمال جامعیت ہے۔ اسکے علاوہ جاتی کئی اور بے راہ روی ہے۔

۴۶۔۔۔ عَلَاخْبَرُ نَبِيِّ عَنِ الشَّاعِرَةِ: احکام دین اور مقامات قرب و یقین کو واضح کر لینے کے بعد قیام قیامت کی طرف اشارہ اور انکی علامتوں کی جانب متنبہ فرمائی تاکہ التزام عبادت اور تحصیل کمال پر ابھارے۔

قیامت کو ساعت کہتے ہیں حالانکہ اس میں ایک طویل زمانہ ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ

ہے کہ اس کا قیام و قطع یکا ایک ساعت میں ہوگا۔ یا اس کی وجہ تشبیہ یہ ہے کہ قیامت باوجود طول و امتداد رکھنے کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف ایک ساعت کا حکم رکھتی ہے۔

۴۷۔۔۔ مَا الْمَسْئُورُ عَنْهَا بِالْعِلْمِ مِنَ الشَّائِلِ: (یعنی بے تعلیم الہی بحساب عقل) ہم دونوں قیام ساعت کے وقت کو نہ جانے میں برابر ہیں۔ بلکہ ہر سائل و مسئلہ کا یہی حال ہے اسکو (بذاتیہ) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ اللہ نے ملائکہ و رسل میں سے کسی کو اس کی اطلاع دی ہے (الامن الرضی عن رسول) یعنی ان کے سوا، جن کو اس نے اپنے رسولوں میں سے چن لیا ہے۔

۴۸۔۔۔ فَاخْبِرْنِي عَنْ أَمَلِ ابْنِهَا: اگر (آپ تعلیم و تبلیغ کیلئے) قیامت کے وقت کا علم نہیں رکھتے تو اس کی علامتوں اور نشانیوں ہی کی نشاندہی فرما دیجئے۔

۴۹۔۔۔ اَنْ تَسْلِبَ الْاَمَّةَ وَتَجْعَلَهَا: اس عبارت سے کیا مراد ہے۔ اس بارے میں شارحین کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

(۱)۔۔۔ اکثر شارحین کرام فرماتے ہیں کہ یہ اشارہ ہے کثیر بنانے کی کثرت اور کثیر زادوں کے پیدا ہونے کی زیادتی کی طرف جو اپنی نسبت پدری کی جہت سے اپنی ماؤں کے مولیٰ اور سردار ہیں اور مالک کا حکم رکھتے ہیں۔ باعتبار اس کے کہ آدمی کے اموال اس کی موت کے بعد اس کی اولاد کی طرف راجع و سائر ہیں۔ یا بایں اعتبار کہ اولاد اپنے والد کے مال پر انکی زندگی میں متصرف ہو جائیں گی۔ خواہ والد کے اذن صریح سے یا اسکے اشارے یا عرف و عادت کی وجہ سے۔ اس صورت حال مذکورہ کو قیامت کی علامت اسلئے فرمایا گیا ہے کہ دولت مندی اور آسودگی و تنعم کی کثرت کے سبب لوگ اسباب و آلات معیشت میں توسط و اعتدال کے دائرہ سے خارج ہو جائیں گے اور یہ بے اعتدالی احوال کے انتظام سے خروج اور فساد و اختلال کا باعث اور ان کی طرف متغی ہوگا۔

بایں جہت کہ قرب قیامت میں جہاد کی بے پناہ کثرت ہوگی اور امیری و وقید بندی کی کوئی انتہاء نہ ہوگی، تو ہو سکتا ہے کہ اسی اثناء میں بعض اولاد اپنی ماؤں کو قید کر کے لائیں اور ان کے مالک بن جائیں اور اگر ظاہر نہ ہو کہ یہ ان کی ماں ہیں تو اس ملک پر دائم و مستمر رہیں اور اگر ظاہر ہو جائے تو وہ ماںیں ملکیت سے آزاد ہو جائیں۔

یابا میں جہت کہ کثرت جہاد مسلمانوں کے ملا کر پراستیا اور اسلام کے غلبہ اور قوت اور اس کے کمال کا باعث ہے۔ اور جب ہر کمال کو زوال و درپیش ہے تو پھر اسلام کا یہ کمال دولت اسلامیہ نے دور کے انتقام اور انتہائی کی طرف بغیر و معصوم ہے۔ اور یہ قیام قامت یا۔۔۔۔۔ یابا ہم۔۔۔۔۔ کہ اولاً اپنی ماضی کی بارگاہ میں سودا بی سے پیش آئیں گی اور ان کی نافرمانی کریں گی۔ اور ان کے ماتھے اسی معاملہ کریں گی جیسا کہ ایک آقا نے غلاموں کے ساتھ کرتا ہے۔

سوال۔۔۔ کثرت جہاد اور بلاد کفر پر استیلاء آغاز اسلام میں بہت تھا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ قیامت کی علامتیں آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گی؟

جواب۔۔۔ اول اسلام اپنے مآل کے اعتبار سے خود غرض زمان ہے تو اگر اسی وقت بعض علامات قیامت کا ظہور ہو جائے تو کوئی حیرت نہیں۔ نیز۔۔۔ شاید کہ اخیر زمانہ میں جہاد و استیلاء پیشتر سے پیشتر ہو۔ واللہ اعلم

(ب)۔۔۔ بعض شاعرین کا کہنا ہے کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آخری زمانہ میں لڑکے اپنی ماؤں کی خرید و فروخت کریں گے۔ اسلئے کہ اس زمانے میں لوگوں کے احوال فاسد ہو جائیں گے اور وہ احکام کی رعایت نہ کریں گے۔ اور حلال و حرام کو آپس میں ملا دیں گے تو ہو سکتا ہے کہ یہ نامیں ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھوں میں ہوتی ہوئی پھر اپنے فرزندوں کے ہی ہاتھ لگیں اور مضمون اُن تِلْكَ الْأَمْثَلُ نَحْنُ بِهَا صَادِقُ آئے۔

(ج)۔۔۔ بعض شاعرین فرماتے ہیں یہ اس بات کی طرف کنایہ ہے کہ کنیریں بادشاہوں اور امراء کو کنیں گی۔ توجہ یہ بادشاہ اور حاکم ہو گئے تو ان کی مائیں ان کی رعایا میں اخل ہو گئی اور یہ ان کے مالک و سردار غصہ میں گئے۔ یہ بھی آخری زمانہ میں ظاہر ہو چکا۔ بالخصوص حکومت بنی عباس کے دور میں۔

سوال۔۔۔۔۔ رہتا: تائے تانیٹ کے ساتھ فرمایا گیا۔ تھا نہیں ارشاد فرمایا حالانکہ تاویلات مذکورہ اثاث و ذکور سبھی کو شامل ہیں۔

جواب۔۔۔ اس کا موصوف محذوف ہے اور وہ نفس ہے یا نسَمَہ (مفتمین بمعنی آدمی و نفس) یہ دونوں لفظ مؤنث ہیں لیکن معنی ذکر و اثاثہ سبھی کو شامل ہیں۔ اللہ عز و جل کی شان

جلالت و عظمت کی تعظیم و اجمال کیلئے لفظ رب کو اختیار فرما کر رہنا نہیں کہا اگرچہ اضافت کے بعد اس لفظ کا اطلاق غیر خدا پر بھی جائز ہے یا کہ ربہ سے مراد لڑکی ہے تو جب لڑکیوں کا یہ حال ہوگا کہ وہ اپنی ماؤں کی تافران ہو جائیں گی حالانکہ یہ شاہد لڑکوں سے کہیں زیادہ ماؤں کی اطاعت شعار ہوتی ہیں۔ تو لڑکوں کا یہ حال بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

۵۰۔۔۔ ایک روایت میں رہنما کی جگہ بعلہا آیا ہے۔ بعل کے معنی بھی رب و سید کے ہیں۔ اور اس کو زوج کے معنی میں لیا جائے جب بھی بعض توجہات مذکورہ اس پر بالکل صادق ہیں۔۔۔ مثلاً۔۔۔ کوئی کسی کنیز کو کفار کی قید میں سے لے آئے اور اس کو اپنی ماں نہ سمجھ سکے اور پھر اس سے نکاح کر لے اور فائدہ نکاح حاصل کرے۔

بعل کو زوج کے معنی میں لینے کی صورت میں اس قول کا بھی امکان ہے کہ چونکہ صدر اول میں لوگ کنیزوں سے اور لونڈیوں سے مباشرت ناپسند رکھتے تھے اور اس سے انکار و استنکاف کرتے تھے بخلاف اسکے حرامز (آزاد عورتوں) کو بہت پسند کرتے اور ان کی جانب رغبت رکھتے تھے۔ لہذا اس کے برعکس صورت حال کو قیامت کی نشانیوں میں شمار کر دیا گیا جس میں آزاد عورتوں کے بجائے لونڈیوں کی طرف رغبت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ!

۵۱۔۔۔۔۔ يَتَنَظَّلُوْنَ فِيْهِ الْيَهُودُ: یعنی فقر، آبادیہ فقیہین لوگ، جو ہمیشہ فقر و فاقہ و دولت و رسوائی کی زندگی بیا بانوں میں بسر کرتے ہیں، اور عرب کے حقیر ترین مال یعنی بکریوں کو چراتے پھر رہے ہیں، محو و مستر ہوں گے۔ اور شہروں میں عالی شان کوٹھیاں بنوا کر اس میں ایک دوسرے پر فخر کرینگے۔ یہ بھی قیامت کی علامت اور آخری زمانہ کی نشانی ہے۔ اسلئے کہ یہ مہمات عالم کی بے انتظامی اور اس میں اختلال کا موجب ہے۔ اور ڈیلیوں، روٹیوں اور جابلوں کی عزت و بزرگی کا باعث ہے۔ نیز۔۔۔ اکابر علماء اور بلند مرتبہ حضرات کی حقارت و اہانت کا سبب ہے۔

شہنشاہ و ذوالقرنین کے کارخانہ حکومت کی خوش انتظامی اور ان کے دور میں امن و امان سلاستی کا سبب بنی تھا کہ انہوں نے اپنے عہد حکومت میں ہر شخص کو اور ہر جماعت کو اسی حرفت صنعت پر لگایا اور وہی کام یا جو "ابسا عن جد واثا" اس تک پہنچا تھا اور اس کے مناسب حال تھا کہ اس میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کو روا نہ دیں۔

لیکن کبھی دین کا اطلاق صرف اسلام پر ہوتا ہے مثلاً: اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ السَّلَامُ اور شریعت کا صرف احکام فرعی فقہیہ پر جیسا کہ شریعت، طریقت، حقیقت کہتے ہیں۔ یہ تینوں بھی دین ہی کے اجزاء اور اس کی شاخیں ہیں۔۔۔ الخ۔۔۔ دین ایک ہی ہے جو دو نہیں ہوتا۔ اور جو کوئی اس کے سوا سمجھے وہ خطا پر ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالْحَقِّ!

۵۷۔۔۔ رواہ مسلم: حدیث شریف بخاری نے بھی روایت کی ہے، لیکن حضرت عمر سے نہیں۔ لہذا ارباب اصطلاح کے نزدیک یہ حدیث متفق علیہ نہ کہی جائیگی۔ اسی حدیث شریف کو کچھ لفظی تغیر کے ساتھ بخاری و مسلم دونوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔ ۵۸۔۔۔ لَمْ يَسْأَلْہ: تاکہ ان پانچ چیزوں کا بیان اور انکی تعلیم ہو جائے جس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۵۹۔۔۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ۔ الخ: آخر آیت تک یعنی وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ط وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ط وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِمَا تَأْتِي اَرْضٌ تَمُوتُ ط ﴿سورۃ النعمان ۳۳﴾
یعنی خدا نے تعالیٰ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی جانتا ہے کہ بارش کب ہوگی اور حاملہ کے حکم میں کیا ہے یا نہ کا ہوگی؟ کسی نفس کو یہ خبر نہیں کہ کل وہ کیا کرے گی اور نہ جانی جاتی ہے کہ کس زمین پر اس کی موت ہوگی۔

۱۔۔۔ مراد یہ ہے کہ بے تعلیم الہی بحساب عقل کوئی شخص ان کو نہیں جانتا۔ اسلئے کہ یہ سارے کے سارے علوم غیب سے ہیں۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کو کوئی یا الہام کے ذریعہ یا خبر فرما دے۔ ۱۔۔۔ ابھی تک جو ہر پارے کے عنوان کے تحت جو کچھ تحریر کیا گیا ہے وہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مابراہمہ دارالعلوم کی تالیف اربعۃ المعاد سے ماخوذ ہے۔

۲۔۔۔ مسلم شریف میں ہے کہ ایک دن حضور آریہ رحمت ﷺ نے فرمایا سلوئی یعنی مجھ سے دین کی باتیں پوچھ لو۔۔۔ فقہا ہوا ان مسئلوہ۔۔۔ تو صحابہ کرام سوالات کیلئے تیار ہی ہوئے تھے کہ حضرت جبرئیل بارگاہ عالی میں حاضر ہو کر سوالات عرض کرنے لگے۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ حضرت جبرئیل کی بارگاہ نبوت میں حاضری تعلیم و تذکیر کے مواسلئے بھی تھی تاکہ لوگ

بارگاہ نبوی میں حاضری کے آداب اور آپ سے سوال کرنے کا طریقہ سیکھ لیں۔

۳۔۔۔ ابن مندہ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس اثناء میں کہ سرکارِ دو عالم وعظ فرما رہے تھے کہ بصورت انسان حضرت جبرئیل اچانک حاضر بارگاہ ہوئے اور سوالات عرض کرنے لگے۔ اس روایت کی روشنی میں بھی سیدنا جبرئیل کی حاضری کا مقصد تعلیم و تدبیر کے سوا۔۔۔ وہ بھی تھا جس کی طرف ابھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ دونوں روایتوں میں توفیق کی صورت ظاہر ہے۔ وہ یہ کہ سرکارِ دو عالم وعظ فرما رہے تھے۔ پھر درمیان وعظ میں ارشاد فرمایا ’سلوٰتی مجھ سے سوال کرو۔ یہ فرمانا تھا کہ حضرات صحابہ کے سوال عرض کرنے سے پہلے ہی حضرت جبرئیل حاضر بارگاہ ہو گئے۔

۴۔۔۔ بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں:

”كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيَهُمُ النَّاسُ فَيَأْتِيَهُمْ وَجُلٌّ“
یعنی۔۔۔ نبی کریم ﷺ ایک دن مجمع صحابہ میں ظاہر ہوئے تو ایک شخص آپ کے حضور حاضر ہوئے۔۔۔ ان تمام روایات میں صرف اجمال وتفصیل کا فرق ہے کسی نے واقعہ کی نسبتاً زیادہ تفصیل کی ہے اور کسی نے صرف اجمال سے کام لیا ہے۔

۵۔۔۔ ابوداؤد کی ایک روایت کا حاصل ہے کہ سرکارِ مدینہ اپنے اصحاب کی جھمرٹ میں جلوہ افروز تھے۔ تو جب کوئی انجمنی مسافر بارگاہِ عالی میں حاضر ہوتا تو وہ پہچان نہ پاتا کہ ان میں رسولِ عربی کون ہیں؟ اور کس کی بارگاہ میں وہ اپنا معروضہ رکھے۔ ان حالات کے پیش نظر صحابہ کرام نے سرکارِ مدینہ سے مطالبہ کیا کہ ہم لوگوں کیلئے بیٹھنے کی ایک جگہ متعین کر دی جائے تاکہ آنے والے مسافر کو آپ کے پہچاننے میں دشواری نہ ہو۔ سرکارِ رسالت نے اس عرض کو قبول فرمایا۔ تو صحابہ کرام نے آپ کی اجازت سے آپ کے تشریف رکھنے کیلئے مٹی کا ایک چوڑہ بنا دیا جس پر آپ جلوہ افروز رہتے اور صحابہ کرام آپ کے پہلو میں چوڑے کے نیچے بیٹھتے۔

۶۔۔۔ امام قرطبی نے اسی روایت سے اسی مسئلہ کا استنباط فرمایا ہے کہ عالمِ دین کیلئے بلند اور مخصوص جگہ پر ضرورتِ بیشمار مسنون ہے۔ یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ حضرت جبرئیل جب بارگاہِ رسالت میں سوالات عرض کرنے کیلئے حاضر ہوئے تھے سرکارِ اس وقت ایک بلند اور ممتاز مقام پر جلوہ افروز

۹۔۔۔ حضرت جبرئیل کے آدمی کی صورت میں آنے سے یہ بھی پتہ چلا کہ اللہ نے اپنے فرشتوں کا اپنے فضل و کرم سے وہ قدرت دی ہے جس سے وہ مختلف صورتوں میں متشکل و متشکل ہو سکیں۔

۱۰۔۔۔ حضرت جبرئیل ایک نہایت حسین و جمیل صحابی، حضرت وحید کلبی کی شکل میں حاضر و بار ہوتے تھے۔ مگر حدیث زیر بحث کے اس فقرہ۔ ’والیہ عرفہ مناحلہ‘ درال حالاکہ ہم میں سے انہیں کوئی پہچان نہیں رہا ہے، سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل اس دن حضرت وحید کلبی کی صورت میں نہ تھے، ورنہ لوگ انہیں ضرور پہچان لیتے۔۔۔۔۔ الحاصل۔۔۔۔۔ نسانی کی روایت میں جو یہ آگیا ہے کہ ’حضرت جبرئیل اس دن بھی حضرت وحید کلبی ہی کی صورت میں حاضر ہوئے تھے، اسے راوی کے وہم پر محمول کیا جائے گا۔ وہم کا سبب یہ ہے کہ حضرت جبرئیل اکثر و بیشتر حضرت وحید کلبی ہی کی صورت میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تھے تو راوی نے خیال کر لیا کہ شاید یہ اس دن بھی اسی صورت میں آئے ہوں۔

۱۱۔۔۔ حضرت جبرئیل آدمی کی شکل و صورت میں آئے۔ آدمیوں کی طرح لباس میں ملیں تھے اور بظاہر ایک آدمی کے ظاہری اوصاف و اطوار کے حامل تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر نے بھی ان کو ’رجل‘ ہی فرمایا۔ جس کا معنی آدمی ہے۔

روایت حدیث اس پورے واقعہ اور اس امر کی وضاحت کے بعد کی چیز ہے کہ وہ آئے والے ’ملک‘ تھے اور ’رجل‘ نہ تھے۔۔۔۔۔ بایں ہمہ۔۔۔۔۔ راوی حدیث نے روایت کے وقت وہی کہا جو گناہوں سے دیکھا اور ایک ’ملک‘ کو لفظ ’رجل‘ کا مصداق ٹھہرا دیا۔ ’ملک‘ کو ’رجل‘ کہتے۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ ملک کا صورت انسانی میں آنے کی یہ کوئی ایک مثال نہیں، بلکہ اکثر و بیشتر ایسا ہوتا کہ رسول کریم کے حضور میں حضرت جبرئیل جب وہی لے کر حاضر ہوتے تو صورت انسانی ہی میں حاضر ہوتے۔ اسلئے کہ وہی کی نشاندہی حدیثوں میں کی گئی ہے۔

(۱)۔۔۔ مَلَكٌ صَلَٰةُ الْجَنَسِ (گھڑیاں کی آوازی کی طرح)

(۲)۔۔۔ اَتَيْنَاكَ بِمَلَكٍ لِيْ قُلْتُمْ لَكَ رَجُلٌ كَمِیْ فَرَسْتُمْ مِیْرَے روبرو آدمی کی شکل میں آتا)

۔۔۔۔۔ وہی کو جو ان دو کیفیتوں میں محصور کیا گیا ہے تو اس سے حصر حقیقی مراد نہیں بلکہ حصر اضافی ہے۔ وہی کی اس دوسری کیفیت نے اس بات کی وضاحت کر دی کہ ملک کا صورت انسانی

میں آتا اور پھر اس پر لفظ رحل کا اطلاق کیا جانا معروف و متعارف ہے۔

حضرت مریم کے پاس بھی جب حضرت جبرئیل آئے تو انسانی صورت ہی میں آئے تھے۔ قرآن کریم میں ان کیلئے منسّر انسویّا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مگر باوجود اس کے کسی نے بھی ظاہری صورت بشریٰ میں مماثلت کے سبب حضرت جبرئیل کو اپنی طرح۔۔۔۔۔ یا۔۔۔ اپنے کو حضرت جبرئیل کی طرح نہیں کہا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی عقول کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ ایک فرشتہ صرف دو چار برس تک ہی نہیں بلکہ ایک لاکھ برس تک آدمی کی شکل و صورت میں رہ کر بشری لوازمات کو پانے نہ رہے، پھر بھی اس کی حقیقت ملکوتی پر آج بھی ختم آسکتی اور وہ بہر حال نوری مخلوق ہی رہے گا۔

لباس بدلنے سے حقیقت نہیں بدلا کرتی لہذا کسی بشر کو حق نہیں کہ کہی فرشتہ کو اگر صرف چہرہ و مہر دیکھنے میں اپنے روپ میں پائے تو اس کو بالکل اپنا جیسا ہی کہنے لگے۔ اور اس کی حقیقت نوری کا منظر ہو جائے۔

یہ خیال رہے کہ صورت بشری میں آنے کے بعد کسی ملک کو زمناً یا بشر کہنا یہ ایک الگ چیز ہے اور اس کو اپنی طرح تصور کرنا، یہ ایک دوسری چیز۔ دونوں صورتوں میں عظیم فرق ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر کیا متصل انسانی فیصلہ نہ کرے گی کہ جب حضرت جبرئیل باقرض ایک لاکھ برس تک صورت بشری میں رہنے کے باوجود پوری ہی رہے ہیں، اور ہماری طرح نہیں ہو جاتے، تو پھر اگر کوئی نوری مخلوق جس کی نورانیت **قَدْ جَاءَتْكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ** سے ثابت اور کوئی مٹا **خَلَقَ اللَّهُ نُورِي** سے ظاہر ہے۔۔۔۔۔ نیز۔۔۔۔۔ کثیر تفصیل اس کی نورانیت پر شاہد ہیں، صرف ۶۳ برس کی صورت بشری میں ہمارے درود رہے تو اس کی حقیقت نوری ہرگز نہیں بدل سکتی۔ اس کو بشر تو کہا جائے گا، ظاہر صورت بشری میں وہ ہمارے مماثل بھی نظر آئے گا مگر بایں ہمہ اس کو اپنا جیسا نہیں کہا جاسکتا اور اس کی حقیقت نوری کا انکار کیا جاسکتا ہے۔

۱۲۔۔۔ شَدِيدُ بَيَاضِ الْفَيَافِ (کپڑے انتہائی سفید) اس سے اشارہ ملتا ہے کہ سفید کپڑوں کا استعمال۔۔۔۔۔ نیز۔۔۔۔۔ کپڑوں کو نہایت صاف ستھرا رکھنا مستحب و متحسن ہے۔

۱۳۔۔۔ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ (بال بہت ہی کالے) بال کا شدید کالا ہونا نوجوانی

۔۔۔ یا بروایت بخاری یہ کیسے فرماتے:

هَذَا جِبْرِيلُ جَاءَ يُعَلِّمُ النَّاسَ دِينَهُمْ

۔۔۔ یعنی ۔۔۔ یہ جبرئیل تھے جو لوگوں کو ان کا دین سکھانے کیلئے آئے تھے

۔۔۔ عدم معرفت کے سبب صحابہ کو جو حیرانی تھی، حضور ہی نے تو پہچان کر اسے اس حیرانی کو دور

فرمایا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ پہچان کرانے والا خود نہ پہچانے۔

’تیسیم ارباض شرح شفاء قاضی عیاض‘ (جلد ۳) میں ہے:

أَلَا نَبِيَّةٌ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنْ جِهَةِ الْإِنْسَانِ وَالظُّوَاهِرِ مَعَ الْبَشَرِ

وَنَبِيَّاتُهُمْ وَقَوَاهِمُ الرُّوحَانِيَّةِ مَلَائِكَةٌ وَلِلذَّاتِ رُوحُ الْأَرْضِ وَمَعَارِفُهَا

وَنَسَمِعُ أَصْلِحَ السَّمَاءِ وَتَنَسَّمَ رِيحَهُ جِبْرِيلُ إِذَا أَرَادَ النُّزُولَ عَلَيْهِمْ ط

’انبیاء علیہم السلام ظاہری اجسام کے اعتبار سے بشر کے ساتھ ہیں، یعنی جامعہ بشریت میں

ہیں، لیکن ان کا باطن اور ان کی روحانی قوتیں ملکی ہیں، یعنی ملکوتی شان رکھتی ہیں اسلئے وہ زمین کے

تمام مشاریق و مغارب کو سمیٹتے ہیں، یعنی زمین کا کوئی گوشہ ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ اور

اپنے کانوں سے آسمان کی چڑچڑاہٹ کی آواز سناعت فرماتے ہیں۔ نیز ان کی قوت شامہ کا یہ عالم

ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل سدرۃ المنتہی کی بلند یوں سے جیسے ہی ان پر نازل ہونے کا ارادہ کرتے

ہیں حضرت جبرئیل کی خوشبو محسوس کر لیتے ہیں۔‘

۔۔۔ ایسی صورت میں سید الانبیاء سے متعلق یہ خیال کس قدر باعث استعجاب ہوگا کہ حضرت

جبرئیل سدرہ پرنہیں بلکہ آپ کے سامنے ہی حاضر ہو کر سوالات عرض کریں۔۔۔ اور آپ ان کو

پہچان نہ سکیں۔

اس مسئلہ پر یوں بھی غور کیا جاسکتا ہے کہ خدا اور رسول کے مابین وحی کی یقینی صورتیں ہیں

ان میں ایک صورت واسطہ جبرائیل بھی ہے۔ اب اگر اس بات کا امکان تسلیم کر لیا جائے کہ وہ

سکتا ہے کہ بعثت کے بعد بھی رسول حضرت جبرئیل کو پہچان نہ سکیں، چکی تین صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ غیر جبرئیل کو جبرئیل سمجھ لیں۔

دوسرے یہ کہ جبرئیل کو غیر جبرئیل تصور کر لیں۔

تیسرے یہ کہ تو دیکھ رہیں اور کوئی فیصلہ ہی نہ کر سکیں کہ یہ جبرئیل ہیں یا کوئی اور۔

قَالَ جِبْرِيلُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فِي صُورَةِ شَبَابٍ عَلَيْهِ ثِيَابٌ يَبَاحُ فَقَالَ-
مَا دَعَانِ مَا تَعْنِي ابْنُ مَسُودَةَ فَقَامَ فَأَمَرَ جِبْرِيلَ
بِأَنَّهُ يُنَوِّتُ فِي حَاضِرِ هَوْنٍ جَامِدٍ وَشَبَابٍ
مِنْ شَبَابِ بَنِي إِسْرَافِيلَ يَحْمِلُونَ عِلَاقَ عَرَضٍ كَمَا-

الْإِسْلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَعْبِكَ السَّلَامُ
فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَذْنُوكَ فَقَالَ أَذْنُ
الْإِسْلَامِ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَكَارَنَ جَوَابَ دِيَارِ عِلَاقِ الْإِسْلَامِ تَوَحُّشَتْ
جِبْرِيلَ عَرَضَ كَمَا- فِي أَفْئِدَةِ قَرِيبٍ آسَكَا هَوْنٍ مَرَّكَرَنَ
أَفْئِدَةِ قَرِيبٍ آتَنَ كِي أَجَارَتِ دِيَارِ قَرِيبٍ آجَارَ-

فائدہ نمبر ۱۳ کے تحت تصریح کی جا چکی ہے کہ عربی زبان میں بلوغ سے لیکر تیس برس
تک 'کازمانہ شباب' کا زمانہ کہلاتا ہے، اسلئے 'شباب' اگر 'جوان' کو کہہ سکتے ہیں تو 'جوان' کو بھی کہہ
سکتے ہیں۔۔۔ الخ بقدر۔۔۔ فائدہ نمبر ۱۳ کے تحت بعض قرائن کے پیش نظر مرقعات سے اخذ کرتے
ہوئے جو یہ کہا گیا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ کو جوان کی صورت میں آئے تھے وہ اس روایت سے
متصادم و متعارض نہیں۔

۱۹۔۔۔۔۔ حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حَتَّى بَرَكَ بَيْنَ يَدَيْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حَتَّى تَجْلِسَ أَحَدُنَا لِلصَّلَاةِ

ایک روایت میں ہے (یعنی حضرت جبرئیلؑ قریب ہو کر)
نبی کریم ﷺ کے سامنے ایسا بیٹھ جیسے کوئی نماز کیلئے بیٹھتا ہے۔

۔۔۔۔۔ یعنی، جلد اوّل میں سلیمانؑ بھی کی مذکورہ روایت کا آخری فقرہ ہوں ہے:
حَتَّى تَجْلِسَ أَحَدُنَا فِي الصَّلَاةِ
جیسے نماز کی نماز میں بیٹھتا ہے۔

اس روایت سے اس خیال کی زبردست تائید ہوتی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ اپنے ہاتھوں کو
اپنی ہی رانوں پر رکھ کر بیٹھتے تھے جس طرح کہ ایک متعلم اپنے معلم کے سامنے باادب بیٹھتا ہے:

۲۰۔۔۔۔۔ فَاسْتَدْرَكَ يَدَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ

اپنے دونوں زانوؤں کو آنحضرتؐ کے زانوؤں سے لپک دیا

دائیں بائیں بیٹھنے کے بجائے، سامنے موڈ باندھ دوڑاؤ بیٹھنا قواضح ادب کی شاندار مثال ہے۔ زانو کوڑاؤ سے ملادینے سے صرف یہی ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت جبرئیل کو سرکار رسالت سے کمال محبت اور غایت موانست تھی بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل اس وقت اس سال کی طرح نظر آ رہے تھے جو اپنے سوال کا جواب سننے کیلئے سبقت کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اور کمال طور گوش بر آواز۔۔۔۔۔ نیز۔۔۔۔۔ حاضر دماغ نظر آتا ہے۔ نشست کی یہ ہیئت اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ سالک اپنے سوالات کے جوابات کا شدید محتاج ہے اور ظاہر ہے کہ اس احتیاج کو کچھ لینے کے بعد رسول کی فوری اور کامل توجہ سالک کی طرف ہو جاتی ہے۔

۲۱۔۔۔۔۔ وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخْذَيْهِ

اپنی دونوں پھلیوں کو اپنی رانوں پر رکھ دیا۔

نسائی میں ہے کہ آنے والے نے اپنے دونوں کف دست کو آنحضرت ﷺ کی دونوں رانوں پر رکھ دیا۔ اس طرح غایت قرب کی ایک وجہ ہو سکتی ہے، جس کی طرف فائدہ نمبر ۲۰ کے تحت اشارات گزر چکے ہیں۔ اور دوسری وجہ ہو سکتی ہے جس کو مفصل طور پر ’فوائد المذہبات‘ سے اخذ کرتے ہوئے حدیث زیر بحث کے جواہر پارے نمبر ۵ کے تحت بیان کیا جا چکا ہے۔

اس بات کا بھی امکان ہے کہ چونکہ حضرت جبرئیل نے آنحضرت ﷺ سے اتصال و قرب میں مبالغہ فرمایا تھا اور اپنے کو سرکار کے حضور جھکا دیا تھا۔ تو کچھ دور پر بیٹھنے والا یہ محسوس کر سکتا ہے کہ حضرت جبرئیل نے اپنی پھلیوں کو اپنی رانوں کے بجائے سرکار ہی کی مبارک رانوں پر رکھ دیا ہے۔ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ حضرت جبرئیل نے اپنی ہی رانوں پر پھلیاں رکھی ہوں۔۔۔۔۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ!

۲۲۔۔۔۔۔ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى: وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخْذَيْهِ کے تحت، حضرت شیخ تھقی نے اشارہ فرمایا ہے کہ تعلیم کی اسناد سیدنا جبرئیل کی طرف ہے۔

اس سلسلے میں بعض محققین کی تصریحات یہ ہیں کہ ’شدید القوی‘ حق تعالیٰ ہے، سیدنا جبرئیل نہیں۔ اسلئے کہ مَا تَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ کی علت علم ہے ورنہ ان دونوں آیتوں میں کوئی ربط نہ ہوگا۔ ان آیات میں کمالات آنحضرت ﷺ کا بیان ہے۔ یہاں اگرچہ جبرئیل علیہ السلام

قراردیں اور آنحضرت ﷺ کو معلم بنو تنقیص شان لازم آتی ہے۔ محل مدح میں ایسا محل کلام نکالنا جس میں شائبہ مذمہ ہو مناسب نہیں۔ تفسیر روح البیان میں سورۃ النجم کے تحت ہے:

قَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَجَمَاعَةٌ عَلَّمَهُ خَدِيدَةُ الْقَوَى أَنَّى عَلَّمَهُ اللَّهُ
وَهُوَ وَصَفَ مِنَ اللَّهِ فِيهِ بِكَمَالِ الْغَدَرَةِ وَالْقُوَّةِ قُوَّةُ أَنَّى
قُوَّةُ أَحْكَامِ الْأُمُورِ وَالْقَضَايَاتِ وَبَيْنَ الْمَكَانِ
الَّذِي فِيهِ عَلَّمَهُ بِلَاؤُ اسْطِطَاعِ

فرمایا حسن بصری نے اور ایک جماعت عظیمہ نے کہ تعلیم کیا حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو۔
کہ۔ شہید القویٰ فرما کرتی تعالیٰ نے اپنے آپ کو کمال قدرت و قوت سے موصوف فرمایا
۔ ”ذو مہر“ سے مراد ذو احکام الامور والقضایات ہے۔۔۔۔۔ نیز۔۔۔۔۔ حق تعالیٰ نے اس مقام
تعلیم کو بھی بیان کر دیا جہاں فرشتہ کے واسطے کہ بغیر تعلیم فرمائی۔

رسول کریمؐ کی یہ خصوصیت کہ آپؐ کی ہر ہر بات وحی الہی ہے، چاہتی ہے کہ کوئی مخلوق
آپؐ کی معلم نہ ہو، بلکہ ساری مخلوقات کو آپؐ فیض وجود اور کمال علم پہنچانے والے ہوں۔ اور یہ
امر اس بات کا منقضي ہے کہ علمہ شدید القوی کا وہی معنی لیا جائے جو محققین نے فرمایا ہے یعنی
آنحضرت ﷺ کو سارے علوم اس نے سکھائے جو قدرت اور کمال قوت میں سب سے برتر و اعلیٰ
ہے اور اس کا شاگرد کسی سکھانے والے کا محتاج نہیں بلکہ سب اسی کے محتاج ہوں۔ وہ اوّل پر تو
کمال ہو اور سارا عالم اس کا پر تو۔

جنہوں نے شہید القوی سے حضرت جبریلؑ کی ذلت گرامی مراد لی ہے، ممکن ہے ان کے
زودیک حضرت جبریلؑ کی طرف تعلیم کی استحقاق نہ ہو بلکہ مجازی ہو۔ چونکہ سیدنا جبریلؑ حامل وحی ہیں،
بارگاہ خداوندی سے بارگاہ رسالت تک ارشادات الہیہ کے پہنچانے کا وہ ایک مقدس ذریعہ رہے، لہذا
انہیں مجازاً معلم کہہ دیا گیا۔ ورنہ درحقیقت معلم وہ ہے جس نے اپنے کلام کے معنی و مفہم اور سارے
رموز کو بلا واسطہ اپنے رسولؐ کو سکھایا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کلام پہنچانا اور ہے اور کلام کو سمجھانا اور۔ پہنچانے
والا حقیقت میں معلم نہیں ہوتا، بلکہ سمجھانے والا معلم ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط ﴿سورۃ فلأ، ۱۱۳﴾

اور اللہ نے آپؐ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور سکھا دیا وہ تم کو جو تم نہیں جانتے تھے۔

اس آیت میں صراحۃً کتاب و حکمت کی تعلیم کی اسناد اللہ کی طرف کی گئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اسناد حقیقی ہے۔ اور جب رسول کریم کو کتاب و حکم سکھانے والا خدا ہی ہے تو پھر حضرت جبرئیل کتاب کے پہنچانے والے ہی قرار پا سکتے۔

۲۳۔۔۔ قَالَ يَا مُحَمَّدُ: سَيَدُ جَبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْإِتِّفَاقِ آخِضَتُكَ ﷺ مَفْضُولٌ بِسْ بَيْنَ أَهْلِ الْإِسْلَامِ وَأَنْتَ أَفْضَلُ۔ اور ایک مفضول کیلئے مناسب نہیں کہ وہ افضل کا نام لے کر خطاب کرے۔ سرکار رسالت کا نام لیکر پکارنے کی ممانعت تو قرآن کریم سے بھی ثابت ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط ط سورہ انور ۲۴

رسول کو اس طرح نہ پکارو، جس طرح تمہارا بعض بعض کو پکارتا ہے

۔۔۔ ابو نعیم حضرت عبداللہ ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں راوی ہیں:

قَالَ كَأَنَّهُ يَقُولُونَ يَا مُحَمَّدُ يَا أَبَا الْقَاسِمِ فَتَهَانَهُمُ اللَّهُ عَنْ ذَلِكَ أَعْظَمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا نَبِيَّ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ (تَجْلِي الْيَقِينِ)

فرمایا (۱) صحابہ کرام ہر اک کا نام لے کر یا نیت سے پکارا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح خدا کرنے سے روک دیا اپنے نبی کی عظمت کو ظاہر فرمانے کیلئے تو لوگ یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہہ کر خدا دینے لگے۔

۔۔۔ امام حسن بصری اور امام سعید ابن جبیر نے اس آیت کریمہ کی تفسیر فرمائی:

لِأَنَّهُمْ يَقُولُونَ يَا مُحَمَّدُ وَلَكِنْ قُولُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا نَبِيَّ اللَّهِ (بعض) یعنی یا محمد کہو، ہاں یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہہ کر خدا کرو۔

۔۔۔ علامہ صاوی نے اسی آیت کے تحت فرمایا:

وَاسْتِفِيدَ مِنَ الْآيَةِ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ نَدَاءُ النَّبِيِّ

بِغَيْرِ مَا يَفِيدُ التَّعْظِيمَ لَا قَبْلَهُ

یعنی۔۔۔۔۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کو ایسے الفاظ کے ساتھ خدا جاز نہیں جس سے تعظیم نہ مفہوم ہوئی ہو۔ نہ دنیاوی حیات میں نہ وصال کے بعد۔

۔۔۔ المختصر۔۔۔ ان حقائق کو سامنے رکھنے کے بعد ہر ایک کے گوشہ خیال سے یہ سوال بہر حال سرابھارا ہے گا کہ سیدنا جبرئیل نے نام لے کر کیوں خطاب کیا؟ اس کے مختلف جواب دئے گئے ہیں۔

(۱)۔۔۔ آیت میں نبی کریم کا نام لے کر پکارنے کی ممانعت و حرمت، امت کے ساتھ مخصوص ہے۔ حضرت جبرئیل اس سے متعلق ہیں۔ اسلئے کہ آیت کریمہ میں خطاب آدمیوں سے ہے نہ ملائکہ سے۔ اس جواب کی کمزوری میرے خیال میں بالکل ظاہر ہے اسلئے کہ یہ بات درست ہے، کہ آیت کریمہ کے مخاطب آدمی تھے، مگر سوچنے کی چیز تو یہ ہے کہ آخر آدمیوں کیلئے نام پاک لکھ کر نہ ان کو ممنوع و حرام کیوں قرار دیا؟

اس کی علت یہی تو ہے کہ۔۔۔ اِغْطِیْہَا لِنَبِیِّہِ۔۔۔ اور جب نبی کی عظمت کا اظہار اور بارگاہ رسالت کا ادب مقصود و مطلوب ہے، تو پھر اس ضابطہء ادب سے ملائکہ کو مستثنیٰ قرار دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ بارگاہ رسالت صرف انسانوں کیلئے ہی جائے ادب نہیں ہے بلکہ ملائکہ بھی اب اس بارگاہ کے قوانین آداب کے پابند ہیں۔ نام لے کر پکارنا اگر انسانوں کیلئے بے ادبی ہے تو پھر ملائکہ کیلئے اسکو بے ادبی کے خانہ سے کیسے نکالا جاسکتا ہے۔

۔۔۔ الخضر۔۔۔ آیت کریمہ کے دائرہ خطاب سے ملائکہ کو نکال دینے کے باوجود 'دائرہ آداب رسالت' سے انہیں باہر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ وہ ادب گاہ ہے جہاں عرش کی بلندیوں بھی سرنگوں نظر آتی ہیں۔

ادب مگنا ہیست زیر آسمان از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنب و بایزد این جا

یہ ٹھیک ہے کہ جب تک زبان وحی نے بارگاہ رسالت کے آداب میں سے اس خاھر 'ادب زیر بحث' کا اضافہ نہیں کیا تھا، اس وقت تک صحابہ کرام سرکار کا نام لے کر پکارتے رہے اسلئے کہ اس وقت تک ان کے نزدیک نام لیکر پکارنا کچھ معیوب نہ تھا اور وہ اس طرح پکارنے کو خلاف ادب نہیں سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صحاح میں صحابہ کرام کے 'نبی کا نام لیکر پکارنے' کی کافی مثالیں ملتی ہیں۔ اب ان مذاہن کو قبل تحریم کی یادگار کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ لیکن جب آیت کریمہ نے 'باب آداب' میں نبی کا نام لے کر نہ پکارنے کو ادب کا روپ دیکر داخل کر دیا ہے تو پھر اس کو صرف آدمیوں کیلئے ادب قرار دینا اور ملائکہ کیلئے ادب نہ سمجھنا عقلاً مستبعد ہے۔

(۲)۔۔۔۔۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نام لے کر اسلئے خطاب کیا تاکہ حاضرین ان

کو کسی گوشے اور کسی قرینہ سے پہچان نہ سکیں۔۔۔۔۔ الحاصل۔۔۔۔۔ اپنے کو غایت درجہ پوشیدہ رکھنا مقصود تھا۔ اس خاص مصلحت کیلئے نام لے کر بلایا تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ کوئی اکھڑ اور اچھڑ عربی ہے۔۔۔۔۔ لَآ اَنْتُمْ جَعَلُوْا دَعَا الرَّسُوْلِ۔۔۔۔۔ الہ کے نزول کے بعد صحابہ کرام جب کسی کو حضور کا نام پکارتا ہوا دیکھتے تو اس کو اکھڑ اور اچھڑ ہی تصور کرتے۔

(۳)۔۔۔۔۔ تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث اور اس سے متعلق پورا واقعہ ممکن ہے کہ اس آیت کے نزول کے پہلے کا ہو، جس میں حضور کو نام لیکر پکارنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ یہ جواب اس روایت سے میل کھاتا ہوا نظر نہیں آتا جس کا ذکر فائدہ نمبر ۶ کے تحت ہو چکا ہے۔۔۔۔۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ واقعہ حضور کی عمر شریف کے آخری ایام میں پیش آیا، جبکہ جملہ احکام کا نزول ہو چکا تھا۔ ایک قول کے مطابق جیدہ الوداع سے کچھ پہلے ۱ھ میں واقعہ پیش آیا۔۔۔۔۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

(۴)۔۔۔۔۔ میرے خیال میں اس کا ایک مناسب ترین جواب یہ ہے کہ لفظ 'جس طرح حضور کا ام ذات ہے اسی طرح آپ کا اسم صفت بھی ہے۔ محمد کا معنی ہے:

اَلَّذِیْ یُحَمَّدُ حَمْدًا بَعْدَ حَمْدِ

محمد وہ ہے جس کی مسلسل تعریف و توصیف کی جائے

۔۔۔۔۔ اور بیشک یہ شان ہے حضور آیت رحمت کی کہ عالم ملکوت سے آپ پر مسلسل درود و سلام کا نذرانہ پیش کیا جا رہا ہے، جیسا کہ آیت صلوٰۃ سے ظاہر ہے۔ اس مقام پر یا محمد سے مراد یہ ہے کہ:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْ یُحَمَّدُ حَمْدًا بَعْدَ حَمْدِ

یعنی۔۔۔۔۔ اے وہ مقدس ذات جس کی مسلسل ہے شہت تعریف کی جاتی ہے

یہ خوب ذہن نشین رہے کہ سیدنا جبرئیل صاحب عصمت و طہارت ہیں۔ جن میں نفس کا شائبہ تک نہیں۔ لہذا ان کے خطاب و کلام کے مناسب و پاکیزہ رخ کا انتساب ان کی ذات کی طرف متعین ہو جاتا ہے۔ اسی لئے کسی اور کو یہ اجازت ہرگز نہیں مل سکتی کہ وہ بھی مذکورہ بالا توبل کا سہارا لیکر سرکار کا نام لیکر خطاب کرے۔ اسلئے کہ غیر معصوم کے خطاب میں نامناسب رخ کو مراد لینے میں عصمت مانع نہیں اور اہل سعادت کے نزدیک بارگاہ رسالت میں کسی خطاب کے نامناسب پہلو کا امکان بھی روح سعادت کے منافی ہے۔

عرض کیا۔ اگر واقعی ایسا ہوا ہے تو یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ضمیر واحد کی جگہ ضمیر جمع کا استعمال سرکار نبوت کی تعظیم و توقیر کے قصد و ارادہ سے ہے۔

۲۶۔۔۔ اَخْبَرْنِی (یعنی مجھے بتادیجئے) یہاں امر استدعا کیلئے ہے، اسلئے کہ یہ حقیقت اپنے مقام پر دلیل و برہان کی روشنی میں آچکی ہے کہ انبیائے کرامؑ ملائکہ علیہٗ سے افضل و اعلیٰ ہیں۔

۲۔۔۔ عَنِ الْإِسْلَامِ: اس سوال کا مقصد یہ نہ تھا کہ حضور نبی کریم حضرت جبرئیل کو اسلام کا لغوی معنی سمجھائیں، بلکہ سوال کا مقصد یہ تھا کہ سرکارِ رسالت اسلام کا شرعی معنی واضح فرمادیں۔

چنانچہ اگر ہم دینہ نے اسلام کے ارکانِ مشرک کو شرکِ کرا دیے۔ اسلام چونکہ ایمان کی علامت ہے۔۔۔۔۔ نیز۔۔۔ ایمان و تصدیق پر دلیل و حجت ہے، لہذا اس کا ذکر پہلے کیا گیا، تاکہ شریعت کو سمجھانے میں آسانی ہو۔ اور پھر درستی کا کوئی سے اعلیٰ کی طرف رخ کیا گیا اور ایمان کو سمجھا گیا۔ پھر آواز آگے بڑھ کر اخصاص و بکسر اسان کے چہرے سے نقاب کشائی کی گئی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے اسلام سے افضل ایمان ہے اور ایمان سے افضل احسان ہے اسلام کا تعلق قلب سے ہے اور ایمان کا تعلق قلب سے ہے۔ قلب ظاہر ہے اور قلب باطن تو پہلے اس متعلق حوال کیا گیا جو قلب سے متعلق ہے پھر اس کے متعلق توضیح طلب کی گئی جو قلب سے متعلق ہے۔

صحیح مسلم، کتاب الحیادی، جامع الاصول، ریاض الصالحین اور شرح السنہ میں اسلام سے متعلق سوال و جواب مقدم ہے، ایمان سے متعلق سوال و جواب پر۔ مگر علامہ بخاری نے مصنف میں جس روایت کو لیا ہے، اس میں پہلے ایمان کا ذکر ہے پھر اسلام، اور یہ شاید اسلئے کہ ایمان اصل ہے اور اسلام اس کی فرع۔ تو پہلے جڑ اور بنیاد کو سمجھانا مناسب خیال کیا گیا۔ پھر فرع اور پھول بنی کو سمجھایا گیا۔

لیکن صاحب مشکوٰۃ کو وہی روایت مناسب حال معلوم ہوئی، جس میں پہلے اسلام کا ذکر ہے، لہذا انھوں نے اس کو اپنایا۔ بخاری میں بھی ذکر اسلام پر ذکر ایمان کو مقدم کیا گیا ہے مگر اس کے راوی حضرت عمرؓ نہیں ہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔

ایک روایت میں احسان کا ذکر آخر میں نہیں ہے بلکہ اسلام و ایمان کے درمیان ہے۔

ایک قول کے مطابق اس میں اشارہ یہ ہے کہ احسان کا کل چونکہ قلب ہے، لہذا اس کے ذکر کو اسلام و ایمان کے ذکر کے قلب میں رکھا گیا ہے۔

اور ایک دوسرے قول کے مطابق چونکہ احسان و اخلاص کا تعلق اسلام اور ایمان دونوں سے ہے۔ لہذا اس کو ان دونوں کے بیچ میں رکھا گیا ہے۔ مگر اس سلسلے میں محققین کی بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ یہ تقدیم و تاخیر راویوں کی طرف سے ہے۔ اس لئے کہ تصنیف ایک ہی ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں جو کچھ بھی واقع ہے وہ ایک ہی چیز ہے۔ ایسا نہیں کہ یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو۔ ہاں راویوں نے اس کی تعبیر میں مختلف اسلوب بیان سے کام لیا ہے۔

۲۸۔۔۔ اسلام سے متعلق سوال کے جواب کا حاصل بلفظ مختصر یہ ہوا کہ 'اسلام' یہ ہے کہ بندہ دل کی نیاز مند یوں کے ساتھ اپنے کو بالکل اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمان بردار بنا دے۔ سارے ارکان اسلام یعنی شہادت، کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ اسی کے مظاہر ہیں۔

۲۹۔۔۔ قَالَ الْإِسْلَامُ: حضرت جبریل کے اس سوال پر کہ آپ ارشاد فرمائیں کہ اسلام کی حقیقت شرعی کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں لفظ اسلام کے اعادہ کی ضرورت نہ تھی بلکہ صرف مختصر سے کام لیکر یہ کہا جاسکتا تھا کہ۔۔۔ وہ یہ ہے کہ تو شہادت دے۔۔۔ الخ

مگر سرکار نے یہ جواب عطا فرمایا کہ 'اسلام' یہ ہے کہ تو شہادت دے۔۔۔ الخ، محض اس لئے تاکہ بات اظہر من الشمس رہے۔ اس سے ہر سمجھانے والے کو یہ درس ملتا ہے کہ جب وہ کسی کو کوئی بات سمجھائے تو جہاں تک ہو سکے بیان کو واضح تر بنا کر پیش کرے۔

۳۰۔۔۔ اَنْ تَشْهَدَ: (یہ کہ تو شہادت دے) اے مخاطب! خطاب عام ہے اس جواب کے ہر مخاطب کیلئے یعنی اس وقت جو مخاطب ہے اس کیلئے بھی اسلام کی یہی تشریح ہے اور جو آئندہ اس جواب کا مخاطب ہوگا۔۔۔ یا۔۔۔ ہو سکے گا اس کیلئے بھی یہی تشریح ہے، جواب دینے والا کوئی بھی ہو۔

۳۱۔۔۔ چونکہ مطلق علم سے شہادت، انکشاف میں مبلغ تر ہے اس لئے تَشْهَدُ کا لفظ اختیار فرمایا گیا۔ اور تَعْلَمُ نہیں کیا گیا۔ اس لئے آدائے شہادت میں اَشْهَدُ کی جگہ لفظ 'اعلم' کو کافی نہیں قرار دیا گیا۔

۳۲۔۔۔ اَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَعْنِي لَا إِلَهَ مَعْبُودٌ بِالْحَقِّ فِي الْوُجُودِ إِلَّا اللَّهُ: اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اللہ اسی معبود برحق کا اسم ذات ہے جو مجمع صفات کمالیہ سے متصف ہے۔۔۔۔۔ المختصر۔۔۔ لفظ اللہ کا مصداق ایک ایسی ذات ہے جو تمام صفات کمالیہ کی جامع اور تمام عیوب و نقائص اور شوائب امکان سے پاک و منزہ ہے۔

اسلئے ایک قول کے مطابق لفظ اللہ کی جگہ لفظ الرحمن رکھ دینے سے اور لا اللہ کے بجائے 'الا الرحمن' کہہ دینے سے توحید مطلق صحیح نہیں ہوتی۔

۳۳۔۔۔ از روئے لغت 'توحید' ایک بنائے کو کہتے ہیں۔ یعنی کسی شے کی وحدانیت (اکیلا ہونے کی حالت) کا علم رکھتے ہوئے اس کی تائید کا حکم دینا۔

علامہ سید شریف جرجانی نے 'العرفیات' میں توحید لغوی کی ان لفظوں میں تشریح کی ہے۔۔۔۔۔ اَلتَّوْحِيدُ فِي اللُّغَةِ الْحُكْمُ بِأَنَّ الشَّيْءَ وَاحِدٌ وَالْعِلْمُ بِأَنَّهُ وَاحِدٌ۔۔۔۔۔ اس کا بھی حاصل وہی ہے جو میں عرض کر چکا ہوں یعنی کسی شے کے واحد ہونے کا حکم دینا اور اس کے واحد ہونے کو جاننا، توحید لغوی ہے۔

اعتقاد و قول و عمل سے یقین و عرفان کی لازوال و دوا کی توانائیوں کے ساتھ ذات و صفات الہی کیلئے ایسی یکتائی ثابت کرنا جو اپنے اندر کسی کی کسی طرح کی شرکت و مشابہت کی گنجائش نہ رکھتی ہو۔ بلکہ ہر طرح کی شرکت و مشابہت سے منزہ و پاک ہو۔ یہ ہے اہل شریعت کی اصطلاح میں توحید کا حاصل و خلاصہ۔ مذکورہ بالا اس مغل کو، تین خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

اول۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت۔

دوم۔۔۔۔۔ اس کی وحدانیت و یکتائی کا اقرار و اعتراف۔

سوم۔۔۔۔۔ اس کے تمام اعزاز و امثال کی بالکلیہ نفی۔

۔۔۔۔۔ اہل حقیقت کی اصطلاح میں ذات الہیہ کو افہام کے جملہ تصورات اور اوہام و اذہان کے جملہ تخیلات سے وراء الوراء سمجھنا توحید ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توحید کے کچھ ظاہری احوال ہیں اور کچھ باطنی۔ یعنی اس کیلئے کچھ پھلکے ہیں اور کچھ مغز، بادام کی طرح۔

توحید کا سب سے اوپری چھلکا محض زبان سے اقرار کرنا ہے اور اس کے نیچے کا دوسرا پہلا یقین واذانِ معانی کے ساتھ دل سے اعتقاد کرنا ہے۔ رہ گیا اس کا مغز تو اس کا پہلا مغز ہے کہ ’وحد بر اللہ کے نور سے راز تو حید تکشف ہو جائے اور وہ اشیاء کے کثیر کو قائل واحد سے صادر ہوتا دیکھنے لگے۔ اور اس کے مغز کے اندر کا مغز یعنی لب لباب یہ ہے کہ موجد عالم وجود میں اس ایک نے سوا کسی کو نہ دیکھے۔ اور اپنے کو اس واحد حق کے جمال میں ایسا غرق کر دے کہ اس کے غیر کی طرف ملتفت ہی نہ ہو۔

۳۳۔۔۔ جلالتہ اعلم حضرت مولانا سید غلام جیلانی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ نے طائف اشرفی سے اخذ کرتے ہوئے اپنی بلند پایہ تصنیف ’بیشر القاری شرح صحیح البخاری‘ میں توحید سے متعلق جو کچھ فرمایا ہے اس کا خلاصہ پیش کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ فرماتے ہیں:

توحید کے تین مرتبے ہیں، ایک کا نام ’توحید ایمانی‘ ہے اور وہ یہ ہے کہ بندہ صرف اللہ تعالیٰ کیلئے الوہیت اور استحقاقِ عبادت کی دل سے تصدیق اور زبان سے اس کا اقرار کرے۔ یہ توحید ظاہر سے مستفاد ہوتی ہے۔ اس کا حصول شرک جلی سے بچا کر انسان کو مسلک اسلام میں منسلک کر دیتا ہے۔ صوفیائے کرام، عامہ و متوہین کے ساتھ اس مرتبہ توحید میں شریک ہوتے ہیں اور دیگر مراتب کی رو سے ان کو امتیاز حاصل ہوتا ہے۔

دوسرے کا نام ’توحید علمی‘ ہے: وہ یہ ہے کہ بندہ جب طریق تصوف پر گامزن ہو تو اذواً اس بات کا یقین کامل حاصل کرے کہ موجد حقیقی اور مؤثر مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس پر بھی یقین رکھے کہ جملہ ذوات و صفات و افعال انکی ذات و صفات اور افعال میں منطوی ہیں۔ ہر ذوات کے فروغ کو ذات مطلق کے نور سے ناشی اور ہر صفت کو صفت مطلق کا پر تو اعتقاد کرے۔ چنانچہ جہاں کہیں علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر کا ظہور ہو تو یہی یقین کرے کہ الہی علم، الہی قدرت، الہی ارادہ، الہی سمع، الہی بصر کے یہ سب آثار ہیں۔ اسی طرح باقی صفات کو الہی صفات کے آثار اعتقاد کرے۔

حق سبحانہ تعالیٰ کے دست تصرف میں اپنے آپ کو ایسا سمجھے جیسے قدم بدست کا جب ’وسائط کو معذور جان کر ان سب کو نظر انداز کر دے۔ اگر کوئی چیز موافق طبع پیش آئے،

شکر بجالائے اور یہ سمجھے کہ حق سبحانہ اس صورت میں ظاہر ہو کر تعلق فرماتا ہے اور اگر کوئی ناپسندیدہ چیز پہنچے تو یقین کرے کہ حق تعالیٰ اس صورت میں پہنچی ہو کر مقبوت فرماتا ہے تاکہ ناپسندیدہ اطوار سے اجتناب کر کے پسندیدہ طریقے پر آجائے۔

تیسرے کا نام ہے ’توحید حالی‘: وہ یہ ہے کہ حال توحید ذات موحّد کیلئے وصف لازم ہو جائے اور بجز قدرے قلیل رسوم و جود کی جملہ تاریکیاں نور توحید کے اشراق میں گم ہو جائیں۔ توحید حالی کے نور کو اس درجہ فروغ ہو کہ توحید علمی کا نور اس میں پوشیدہ ہو جائے، جیسے آفتاب کے نور میں ستاروں کا نور چھپ جاتا ہے۔ اس مرتبہ میں پہنچ کر وجود واحد کے مشاہدہ جمال میں وجود موحّد اس قدر مستغرق ہو، تاکہ واحد کی ذات و صفات کے سوا کوئی چیز اس کی نظر میں نہیں آتی، یہاں تک کہ یہ توحید بھی اپنی صفت معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کو بھی صفت واحد جانتا ہے اور اس جانے کو بھی اسی کی صفت سمجھتا ہے۔ موحّد کی ہستی اس طریقے سے بحر توحید کی تلاطم خیز امواج میں بڑ کر قطرہ کی طرح ناپید ہو جاتی ہے۔

شرک مخفی سے کلین استرازا اس مرتبہ میں حاصل ہوتا ہے اور آدمی کے واسطے اس سے بالاتر توحید کا مرتبہ نہیں۔ توحید علمی اور توحید حالی کے درمیان امتیاز کی دو وجہ اور بھی ہیں: اول۔۔۔ بلحاظ انجام: وہ یہ کہ توحید علمی میں نتیجتاً بعض رسوم بشریت فنا ہو جاتی ہیں اور اکثر باقی رہتی ہیں اور توحید حالی میں اکثر فنا ہو جاتی ہیں اور بعض باقی رہتی ہیں اور وہ بھی قدرے قلیل تاکہ موحّد سے ترتیب افعال اور تہذیب اقوال باقی رہے۔

دوم۔۔۔ بلحاظ آغاز: اور وہ یہ کہ توحید علمی کا مشاء نور مراقبہ ہے اور توحید حالی کا مشاء نور مشاہدہ۔ بروقت مشاہدہ الہی موحّد کو ایک عجیب و غریب اور حیرت انگیز لذت حاصل ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے جسم موحّد پر آلام شدیدہ کا دور واصلہ اثر اُٹھانے نہیں ہوتا، بلکہ اس عالم کیف میں موحّد پر اگر پہاڑ گر پڑے تو وہ بھی محسوس نہ ہوگا۔ ہاں اس لذت شہود کے اختتام پر آلام محسوس ہونے لگتے ہیں جیسے کہ اس سے پیشتر محسوس ہوتے تھے۔

تقلیدی۔ توحید نظری یہ ہے جس میں اللہ کی الہیت اور اس کی الوہیت پر یقین دلیل و برہان کے ذریعہ بھی حاصل کیا جائے۔ یعنی صرف مجبر صادق کی تصدیق ہی ذریعہ علم نہ قرار پائے، بلکہ قوتِ فہم یہ اس کو بنوانے میں دخل ہو۔

رہ گئی تو حید تقلیدی تو اس کا معاملہ تو حید نظری کے برعکس ہے۔ اسلئے کہ اس میں موجد کے یقین و اعتقاد کی شاندار عمارت کی بنیاد مجبر صادق کا ارشاد اور اسکی تصدیق ہوتی ہے۔ مجبر صادق کے ارشاد و تصدیق کے بعد موجد مقلد اپنے دل کو شکوک و شبہات اور حیرانی و سرگشی سے بالکل پاک و صاف کر لیتا ہے۔ توحید حالی کے اوپر بھی توحید کی ایک اور قسم کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جس کو توحید کی چوتھی قسم قرار دیا گیا ہے۔

اور اس چوتھی قسم کا نام توحید الہی ہے۔ اس مقام کے موجد کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں واحد اور صفات میں احد تھا اور صرف وہی تھا، اس کے ساتھ کچھ نہ تھا اور آج بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا، یعنی ذات میں واحد و صفات میں احد اور وجود میں لاشریک، یعنی اس کے سوا نہ کوئی موجود تھا اور نہ آج موجود ہے۔

ارشادِ باری۔۔۔ نَحْلُ قَسَمٍ ۚ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهٌ ۚ۔۔۔ سے اسی طرف اشارہ ہے۔ اسلئے کہ ہالک فرمایا بھلک نہ فرمایا۔ ہالک کی صورت میں ارشاد کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا سب صاحبِ فنا ہیں، یعنی عالمِ فنا میں ہیں۔ اور اگر بھلک فرمایا جاتا تو معنی یہ قرار پاتا کہ اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہو جائے گی۔

اس صورت میں ارشاد کی روشنی میں غیر اللہ کے مستقل وجود کو ماننا بڑے گمراہ۔۔۔ الخضر۔۔۔ ان موحدین کے نزدیک ارشادِ مذکور میں بھلک کے بجائے ہالک فرمانے سے اشارہ ہوتا ہے کہ اللہ کی عزت و صداقت اور غیرت احدیت نے غیر اللہ کو صفت و وجود سے متصف نہیں کہا ہے۔ شاید ان کا مقصد یہ ہوا کہ وجودِ حقیقی ایک ہے، بقیہ سارے وجود غیر حقیقی اور اسی وجودِ حقیقی کے عکس و ظلال ہیں۔۔۔۔۔ پائیل۔۔۔۔۔ آفتاب روشن ہے مگر جن جن آنیوں اور ذروں پر آفتاب کی روشنی پڑتی ہے ان کو بھی روشن کہا جاتا ہے۔

حالانکہ فی نغمہ نہ کوئی آنکیر روشن ہے اور نہ کوئی ذرہ۔۔۔۔۔ الحاصل۔۔۔۔۔ فی نغمہ روشن

آفتاب ہی ہے۔ یونہی جس پر اللہ نے اپنے وجود کی تجلی ڈال دی اسے موجود کہہ دیا گیا۔ حالانکہ فی حد ذاتہ اور فی نفسہ وہ موجود نہیں، بلکہ خدا ہی موجود ہے۔

۳۶۔۔۔ تو حید کی تعریف و حقیقت سے متعلق بحر العلوم، علامہ مفتی عبدالحفیظ صاحب قبلہ مدظلہ کی یہ تحریر تو حید کی حقیقت شرعی سمجھانے کیلئے بہت واضح ہے۔ فرماتے ہیں:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ یہ کلمہ وہ تو حید ہے، اس میں جو کچھ بتایا گیا ہے وہ ہی تو حید ہے۔
غور فرمائیے لا حرف نفی ہے الہ اس کا اسم ہے ال احرف استثناء ہے، اللہ حرف نفی کی خبر ہے۔ ترجمہ یہ ہوا: نہیں ہے کوئی اللہ اللہ تعالیٰ کے سوا۔

اس کلمہ میں دو اسم ہیں۔ اللہ اور اللہ اور دو حرف ہیں لا اور ال۔ ان دونوں اسموں اور حرفوں کی تعریف معلوم ہو جائے تو تو حید کی حقیقت بھی واضح ہو جائے۔

اللہ اس ذات واجب الوجود کا نام ہے جو تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے۔ عقائد اہلسنت و جماعت کی معتبر کتاب 'مسامرہ مصنف علامہ کمال ابن ابی شریف رحمہ اللہ کے صفحہ ۲۱ میں ہے: وَكَلِمَةُ الْجَلَالَةِ اسْمٌ لِلذَّاتِ الْوَاجِبِ الَّتِي لَا تُجُودُ لِمُسْتَجْمَعٍ لِجَمِيعِ صِفَاتِ الْكَمَالِ کلمہ جلالت، اللہ سے دوا تیں معلوم ہوئیں:

(۱) خدا کی ذات واجب الوجود ہے۔

(۲) وہ تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے۔

اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ یعنی اس کا وجود اس کی ذات سے ہے اور اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں۔

۔۔۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَمْ يُولَدْ۔

۔۔۔ علامہ سعد الدین نقشا زانی رحمہ اللہ نے شرح عقائد میں فرماتے ہیں:

أَيُّ الذَّاتِ وَاجِبِ الوجودِ الَّذِي يَكُونُ وَجُودُهُ مِنْ ذَاتِهِ وَلَا يُحْتَاجُ إِلَى شَيْءٍ مُصْلاً۔

۔۔۔ 'مسامرہ شریف' میں ہے:

وَالْأَوَّلُ وَهُوَ الْقَدَامَةُ بِنَفْسِهِ بَاطِلٌ لِأَنَّهُ لِمَا ثَبَتَ أَنَّهُ الْمَوْجِدُ الَّذِي اسْتَنْدَتْ إِلَيْهِ كُلُّ الْمَوْجُودَاتِ ثَبَتَ عِلْمُ اسْتِنَادِهِ

إِلَى غَيْرِهِ قِيلَ لَمْ أَنْ يُحْكُنْ وَجُودُهُ لَهُ مِنْ نَفْسِهِ

أَيِ اقْتَضَتْهُ ذَاتُهُ الْمَقْدُوسَةُ اقْتِضَاءً تَامًا

--- طاعلی قاری کی ترجمہ اللہ علیہ السلام کبر میں فرماتے ہیں:

وَهَذَا لِأَنَّهُ تَعَالَى وَاجِبُ الوجودِ لِذَاتِهِ وَمَا سَوَاهُ مُمَكِّنُ الوجودِ

فَبَيَّ ذَاتَهُ فَوَاجِبُ الوجودِ هُوَ الصَّمَدُ الَّذِي لَا يُفْتَقَرُ

إِلَى شَيْءٍ وَيُخْتَلَجُ كُلُّ مُمَكِّنٍ إِلَيْهِ فَبَيَّ الِإِعْجَادِ وَأَمَدُ إِدِهِ

--- حضرت مولانا فضل رسول صاحب عثمانی بدایونی رحمہ اللہ علیہ معتقد المستند میں فرماتے ہیں:

أَيُّ وَجُودِهِ تَعَالَى وَاجِبٌ أَيْ لَا يَزِلُّ مِنْ حَقِّهِ عَقْلًا وَضَرْعًا بِذَاتِهِ

أَيْ أَنَّهُ وَحْدٌ يُمَقِّضُ ذَاتِهِ لِأَيْلَةٍ فَلَا يَقْبَلُ التَّدْمِيزَ أَوْ لَا وَأَيُّدًا

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود واجب ہے، ذاتی ہے، حقیقی ہے، غیر عطائی ہے، ہمیشہ

سے ہے، اس کو ازلی کہتے ہیں اور ہمیشہ رہے گا، اس کو ابدی کہتے ہیں۔ ممکن نہیں، حادث نہیں، عطائی

نہیں، فانی نہیں۔

هُوَ الْأَوَّلُ هُوَ الْآخِرُ یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات معرکی عن الصفات نہیں ہے

الاحالہ وہ متصف بالصفات ہے، ابھی آپ کو بتایا گیا کہ اللہ اس کو کہتے ہیں جو واجب الوجود اور

جامع صفات کمالیہ ہو۔

عَقْدَانِدُنْشِي میں ہے وَلَهُ صِفَاتٌ أَرْبَعَةٌ قَائِمَةٌ بِذَاتِهِ اور اس کی تمام صفاتیں کمال والی

ہیں ایسی کوئی صفت نہیں جو نقصان و عیب رکھتی ہو، بلکہ ایسی ہی نہیں جو کمال و نقصان سے خالی ہو۔

مسامرہ اور اس کی شرح میں ہے:

يَسْتَحِيلُ عَلَيْهِ سَمَاتُ النُّفُصِ كَالْجَهْلِ وَالْكَذِبِ بَلْ يَسْتَحِيلُ عَلَيْهِ

كُلُّ صِفَةٍ لَا كَمَالِي فِيهَا وَلَا تَعْفُزُ لِأَنَّ كَلَامِينَ صِفَاتِ الْإِلَهِ صِفَاتٌ كَمَالٌ

جب اس کی تمام صفاتیں کمال والی ہیں تو کمالی صفت بھی ہے کہ وہ صفاتیں واجب و قدیم

ہوں۔ اس کی ذات سے قائم ہوں ممکن نہ ہوں۔ حادث نہ ہوں، فانی نہ ہوں، عطائی نہ ہوں۔

عَقْدَانِدُنْشِي کی عبارت گزر چکی وَلَهُ صِفَاتٌ أَرْبَعَةٌ قَائِمَةٌ بِذَاتِهِ۔

--- شرح عقائد ندرشی میں ہے:

وَفِي كَلَامِ بَعْضِ الْمُتَأَخِّرِينَ كَلَامًا خَمِيسًا خَمِيسَ الدِّينِ الضَّرْبِ بَدِي

ومن تبعہ تصریح بان الواجب الوجود هو اللہ تعالیٰ وصفاتہ۔

--- شرح فقہ اکبر میں ہے:

إِنَّ صِفَاتِ اللَّهِ تَعَالَى وَأَسْمَاءَهُ كُلُّهَا أَرْبَابَةٌ
لَا بَدَأَ لَهَا وَلَهَا وَابْدَأَ بِهَا لَهَا لَهَا

--- پس صرف کلمہ جلال اللہ سے ثابت ہو گیا کہ اس کی ذات بھی واجب ہے اور اس کی صفات بھی واجب ہیں۔ دونوں میں سے کوئی عطائی نہیں، حادث نہیں، ایسی ذات جو واجب الوجود ہو اور تمام صفات کمالیہ سے متصف ہو اور اس کی صفات بھی واجب اور ذاتی ہوں ایک ہی ہو سکتی ہے نہ دو، نہ تین، نہ اس سے زیادہ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔ قُلْ لَّهِ الْوَاحِدُ۔۔۔ فرما دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔ اس کلمہ جلال، اللہ، سے وجوب ذات و صفات معلوم ہوا اور اس سے توحید ذات معلوم ہوئی۔ یعنی اللہ ایک ہے۔ اللہ ایک اسم ہے فعال کے وزن پر، الواو اسم مفعول کے معنی میں اس کا مصدر ہے الہیۃ اور الوہیۃ جس کے معنی ہیں عبادت (صراح)۔

--- تفسیر بیضاوی میں ہے:

وَأَشْتَقُّهُ مِنْ إِلَهٍ إِلَهَةٍ وَالْوَهْدُ بِمَعْنَى عِبَادَةٍ

--- تو الہ کے معنی ہوئے معبود یعنی اللہ معبود ہے۔ لا وَاِلٰہَ سِوَاللّٰہِ دونوں حروف جب جمع ہو جاتے ہیں تو حصر و قصر کا فائدہ دیتے ہیں۔

تخصیص المفتاح میں ہے، حصر کے طریقوں میں بتایا۔۔۔ وَمِنْهَا النَّبِيُّ وَالْمُسْلِمَةُ۔۔۔ اس کلمہ حصر سے توحید معبودیت معلوم ہوئی یعنی لا وَاِلٰہَ سِوَاللّٰہِ نے معبودیت کو خدا کیلئے مختص کر دیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے، وہی مستحق عبادت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔ وَاللَّهُ كَمِ إِلَٰهٍ وَاحِدٍ۔۔۔ اب کلمہ طیبہ کا ترجمہ یہ ہوا۔۔۔ نہیں ہے کوئی معبود مستحق عبادت سوا اللہ کے۔۔۔ یعنی اس ذات کے جو واجب الوجود ہے اپنی ذات و صفات دونوں اعتبار سے اور اس کی صفاتیں سب کمال والی ہیں۔ یعنی ممکن نہیں، حادث نہیں، عطائی نہیں۔

توحید اسلام:

۱۔۔۔ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے، ازلی ہے، ابدی ہے اور اس کی تمام صفات بھی واجب، ازلی و ابدی ہیں۔ دونوں میں کوئی ممکن، حادث، عطائی نہیں۔

۲۔۔۔ وہ بھی حقیقی معبود ہے:

کفر:

۱۔۔۔ خدا کو موجود نہ جانتا، واجب الوجود نہ ماننا، اس کی صفات کو بھی ایسا ہی نہ ماننا۔

۲۔۔۔ اس کو معبود حقیقی نہ یقین کرنا۔

۱۰۔۔۔ باتیں مستقل کفر ہیں۔ کلمہ توحید نے جو کچھ بتایا اس کے خلاف شرک ہے یعنی:

۱۔۔۔ خدا کے سوا کسی کی ذات و صفات کو واجب، ازلی، ابدی غیر عطائی جانتا بھی شرک ہے۔

۲۔۔۔ اور اس کے سوا کسی کو معبود مستحق عبادت سمجھنا بھی شرک ہے۔

۳۔۔۔ علامہ مختار زانی شرح عقائد میں اور ماعلیٰ قاری رد المحتار میں فقہاء کبار میں فرماتے ہیں:

الْإِشْرَاقُ هُوَ الْإِتْبَاقُ الشَّرِيكَ فِي الْأُلُوهِيَّةِ بِمَعْنَى مُجُوبِ الْوُجُودِ كَمَا أَنَّ الْمُسْجُوسَ أَوْ بِمَعْنَى إِسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ كَمَا أَنَّ الْعَبْدَ الْأَصْنَمَ۔
شرک ہے کسی کو الٰہییت میں شریک، ثابت کیا جائے، یعنی واجب الوجود، جیسا بھوں کرتے ہیں یا معنی استحقاق عبادت، جیسا بت پرست کرتے ہیں۔

پس! جس طرح توحید کی دو قسمیں ہونیں:

(۱) توحید وجوب ذات و صفات

(۲) توحید معبودیت

۳۔۔۔ اس طرح شرک کی بھی دو قسمیں ہونیں:

(۱) شرک فی وجوب الذات والصفات

(۲) شرک فی العبادت

کلمہ طیبہ نے اپنے منطق کے اعتبار سے توحید بتائی اور مفہوم کے اعتبار سے شرک

سمجھایا۔ پس جو خداوند تعالیٰ کو واجب الوجود جانتا ہے اسکی صفات کو ازلی، ابدی، غیر عطائی مانتا

ہے اور اس کا معبود بھگتا ہے وہ موجد ہے۔ موجد ہونے کیلئے دلوں باتوں کا بیک وقت ہوتا ہوا ضروری ہے۔ اور جو خداوند تعالیٰ کے سوا کسی چیز کو یا کسی صفیوں کو واجب، ازلی، ابدی، غیر عطائی جانتا ہے، وہ شرک ہے، جیسے جنوں۔ اور جو اسکے سوا کسی کو معبود بھگتا ہے وہ شرک ہے جیسے بت پرست۔

مشترک ہونے کیلئے دونوں شرکوں کا ایک وقت موجود ہونا ضروری نہیں، بلکہ دونوں چیزیں مستقل شرک ہیں۔ یعنی دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بھی پائی جائے گی تو مشترک ہو جائے گا: (الف)۔۔۔ اگر کوئی خدا کے سوا کسی کو واجب، ازلی، ابدی جانتا ہے جب بھی مشترک خواہ معبود خدا ہی کو جانتا ہو۔

(ب)۔۔۔۔۔ یا کسی کی ہفتوں کو ازلی، ابدی، استغالی، غیر عطائی جانتا ہو جب بھی مشرک خواہ خدا ہی کو معبود جانتا ہو۔

(۲) خدا کے سوا کسی اور کو بھی معبود جانا ہے تو وہ بھی مشرک خواہ اس کو واجب الوجود یا اس کی صفاتوں کو ازلی، ابدی نہ جانتا ہو۔

حضرت بحر العلوم کی مذکورہ بالا تشریحات کو سمجھ لینے والے کیلئے ان حقائق کا سمجھ لینا نہایت آسان ہے جن کی نشاندہی فاضل ضلیل علامہ سید محمود احمد صاحب نے فیوض الباری میں ان فاضلوں میں کی ہے:

’جو لوگ اللہ کے عطا کئے ہوئے کمالات اس کے بندوں میں مانتے ہیں

اور کمالات کو عطاء الہی جانتے ہیں وہ ہرگز مشرک نہیں۔

مثلاً۔۔۔ کوئی شخص آدمی کو سمیع اور بصیر کہے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے

اس کو صفتِ سمع و بصر عطا فرمائی ہے، تو وہ مومن اور موحّد ہے، مشرک نہیں۔ مشرک جب ہوتا جب کہ یہ مانتا کہ آدمی میں سمع و بصر کی صفت ذاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے اللہ عزوجل کی صفات میں سمیع و بصیر ذکر کیا ہے مگر اس کے باوجود انسان کو بھی سمیع و بصیر قرار دیا ہے۔

فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٢﴾ ﴿سورة الدھر ٢﴾

پس ہم نے انسان کو سمیع و بصیر بنایا

--- اور یہ شرک اس لئے نہیں کہ انسان میں جو کچھ و بصرت ثابت کی گئی ہے، وہ عطائی ہے اور خدا میں ذاتی ہے۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں کتاب و سنت سے دی جا سکتی ہیں، جن کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ کسی بھی کمال کو جو ممکن البشر ہے، غیر اللہ میں عطائی مانا جائے تو شرک نہیں اور ذاتی مانا جائے تو شرک ہے۔ اگر ذاتی و عطائی کا فرق نہ کیا جائے تو پھر تو انسان ہر بات میں شرک ہو جائے۔

--- مثلاً --- یہ کہے کہ میں سنتا ہوں، میں دیکھتا ہوں، میں موجود ہوں، خدا نے قوت دی، پانی نے پیاس بجھائی، آگ نے جلادیا، سردی نے نقصان پہنچایا، دوائے فائدہ دیا، یہ سب باتیں شرک ہو جائیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ جب ایک مسلمان یہ کہتا ہے کہ میں دیکھتا ہوں تو اس عقیدے کے ساتھ کہتا ہے کہ دیکھنے کی قوت مجھ میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے، خود بخود نہیں ہے۔ جب ایک مسلمان یہ کہتا ہے کہ دوائے شفا دی تو اس عقیدے کے ساتھ کہتا ہے کہ دوا میں شفا دینے کی طاقت اور تائید اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ اگر خدا نہ چاہے تو نہ میں دیکھ سکوں اور نہ دوا اپنا اثر دکھاسکے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی کمال کو غیر اللہ میں اگر ذاتی مانا جائے تو وہ شرک ہے۔ اور اگر عطائی طور پر مانا جائے تو ہرگز شرک نہیں ہے۔

جو شخص عطائی کمال کو غیر اللہ میں مانے کو شرک کہتا ہے وہ جاہل ہے اور اگر جان بوجھ کر کہتا ہے تو خود کافر ہے۔ کیونکہ اس نے عطائی کمال ماننے والے کو شرک کہہ کر یہ ظاہر کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے کمالات و صفات عطائی ہیں۔ اور وہ مستغنی اور بے نیاز نہیں۔

۳۔۔۔ اَنْ يَّحْمَدَهُ اَوْ سُوْلَى اللّٰهِ: یعنی اللہ کی الہیت والوہیت کی شہادت کے ساتھ محمد عربی ﷺ کی نبوت و رسالت کی شہادت بھی اسلام کیلئے لازمی و ناگزیر ہے۔ ان دونوں شہادتوں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسلئے کہ ان پر اسلام کا موقوف ہونا ہمیشہ ظاہر ہے۔ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ کسی کی رسالت کی کوہی دینے سے پہلے چند باتوں کا علم ضروری ہے۔

(۱)۔۔۔ معطی رسالت (مرسل) کا علم۔

(۲)۔۔۔ صاحب رسالت (مرسل) کا علم۔

(۳)۔۔۔ صفت رسالت کا علم۔

(۳)۔۔۔۔۔مقام رسالت کا علم۔

(۵)۔۔۔۔۔مقام صاحب رسالت کا علم۔

(۶)۔۔۔۔۔انتساب صفت رسالت پہ صاحب رسالت کا علم۔

۔۔۔۔۔کلمہ مودعہ کے اس دوسرے جز نے ان میں سے اکثر باتوں کی واضح طور پر نشاندہی کر دی ہے کہ دولت رسالت کو عطا فرما کر اپنا رسول بنانے والا ساری کائنات کا خالق قادر مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور جن کو رسول بنایا وہ اس کے خاص الخصاص بندے محمد عربی ﷺ ہیں۔ اور اللہ کے رسول ہونے کی نسبت ان کی ذات کی طرف قطعی ہے۔ اور جب وہ اللہ کے رسول ہیں تو اسی سے ظاہر ہو گیا کہ وہ اپنے مرتبہ و مقام کے لحاظ سے خود بھی رفیع المزلت ہیں۔ اور ان کی رسالت بھی بہت بلند پایہ ہے کیونکہ کسی پیغام رساں۔۔۔۔۔یا۔۔۔۔۔اس کے پیغام کی عظمت و رفعت کا اندازہ اسی سے لگتا ہے کہ اولاً اس کی عظمت و برتری کو سمجھ لیا جائے جس کا وہ پیغام یا پیغامبر ہے۔ کیا روز مرہ کی زندگی میں یہ نہیں ہوتا کہ اگر کوئی پیغام کسی معمولی انسان کا آپ کو ملے تو آپ اس کی طرف کوئی خاص التفات نہیں کرتے۔ مگر انہیں الفاظ و کلمات کے ساتھ بعینہ وہی پیغام اگر گورنر کی طرف سے آپ تک پہنچے، پھر تو اسے آپ اپنی آنکھوں میں دیکھیں گے اور سر پر چڑھائیں گے۔ اور اپنے مقدر پر ناز کریں گے کہ گورنر نے ہم کو یاد فرمایا ہے۔ اور اگر یہی پیغام آپ کو صدر جمہوریہ کی طرف سے ملے، پھر تو گورنر کو بھی آپ خاطر میں نہ لائیں گے۔ اور اپنے کو وقت کا سب سے بڑا خوش نصیب اور مقدر رکھ کر وحی تصور کریں گے اور اس پیغام کو سنہرے حروف میں تحریر کر کے حسین و جمیل فریم کے اندر رکھ کر مکان کے ممتاز مقام پر آویزاں کر دیں گے۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔اس پیغام کے مندرجات پر عمل کو زندگی کا اولین فریضہ خیال فرمائیں گے۔

دیکھا آپ نے ایک بڑی ذات کی طرف سے کسی پیغام کا انتساب اس کو کتنی رفعت اور برتری اور کس قدر اہمیت عطا فرمادیتا ہے۔ یہی حال پیغامبر کا ہے۔ ایک معمولی انسان کا قاصد آیا آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ بھی نہیں کی اور گورنر کا قاصد آیا تو آپ فرش راہ بنے جارہے ہیں اور اگر کہیں صدر جمہوریہ کا قاصد آجائے، پھر تو یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ آپ کی صورت حال کیا ہوگی؟ اخلاقی قدروں کو نمایاں کرنے میں آپ کے سامنے کا عالم کیا ہوگا۔ آپ اپنے کو رفعت و برتری کے

لحاظ سے کس آسمان پر دیکھ رہے ہوں گے اور اس قاصد کی ایک ایک بات پر لپیک و سعد یک کہنے میں آپ کس قدر رغبت اور تیزی سے کام لے رہے ہوں گے۔

دیکھا آپ نے یہ ہے انتساب کا جادو اور اس کی فسوں کا ماری۔ جیسی تو کہا جاتا ہے کہ نسبت بڑی چیز ہوتی ہے۔ رہ گئی ’صفت رسالت‘ تو اس کے اصطلاحی معنی کی معرفت جو بارہ نمبر ۳۱ میں کرا دی گئی ہے۔ اب اس مقام پر قرآن کریم کی روشنی میں یہ واضح کر دینا مناسب نظر آ رہا ہے کہ اللہ کے رسول کی رسالت کتنے کمالات، جلیلہ اور صفات حمیدہ کی حامل ہے، تاکہ روشن ہو جائے کہ اللہ کے رسول کا اور اس رسول کی رسالت کا مقام کیا ہے؟

اس سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ رسول کی رسالت کی شہادت کے معنی کی وضاحت ہو جاتی ہے اور یہ اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ رسول کی رسالت کی گواہی کا معنی یہ ہے کہ رسول کے ان تمام صفات و کمالات کی شہادت دی جائے جو دامن رسالت سے وابستہ ہیں۔ اس صورت میں اس گواہی کو رسالت کی گواہی کہیں گے۔ ایسا نہیں کہ چاند کی گواہی دیں، اور چاندنی کا انکار کریں۔ آفتاب کی شہادت دیں، اس کی روشنی سے انکار کریں۔ دریا کو مانیں، روانی کو نہ مانیں۔ آگ کو تسلیم کریں، حرارت کے منکر ہو جائیں۔ یا اسکے بالکل برعکس طلوع شمس کی بھی شہادت دیں، اور جو شب کی بھی وغیرہ وغیرہ۔ تو جس طرح چاند مان کر چاندنی نہ ماننا، سورج مان کر دن نہ ماننا، دریا مان کر روانی نہ ماننا، آگ مان کر حرارت نہ ماننا، چاند، سورج، دریا اور آگ ان سب کا انکار ہے، اسی طرح رسالت کو مان کر اس کے لازمی صفات کو نہ ماننا، درحقیقت رسالت ہی کا انکار ہے۔ یونہی جس طرح سورج مان کر رات کا وجود ماننا اور آگ مان کر برودت ماننا بھی سورج اور آگ کا انکار ہے۔ اسی طرح رسالت کو مان کر اس کے ساتھ منافی رسالت صفات ماننا سرے سے رسالت ہی کا انکار ہے۔

کسی چیز کے انکار کی تین صورتیں ہیں:

۱۔۔۔۔ اس کا براہ راست انکار کر دیا جائے۔

۲۔۔۔۔ اس کی کسی لازمی صفت کا انکار کر دیا جائے۔

۳۔۔۔۔ کسی ایسی چیز کو مان لیا جائے جو اس کے وجود کے منافی ہو۔

مثلاً: سورج کے انکار کی ایک صورت یہ ہے کہ کہا جائے کہ سورج موجود نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کہا جائے دن موجود نہیں اور تیسری صورت یہ ہے کہ کہا جائے رات موجود ہے۔ رسول کے مقام و مرتبہ کی وضاحت سے دوسرا فائدہ یہ رہے گا کہ کوئی مخلوق اپنے قاصد و اپیلچی کو اللہ کے رسول پر، اللہ کے رسول کو قاصد و اپیلچی پر قیاس کرنے کی جرأت نہ کر سکے گی۔ یہ خیال رہے کہ اس مقام پر اللہ کے رسول کی انہی صفات کا ذکر کیا جائے گا جو آپ کو جہت رسالت سے عطا کی گئیں ہیں۔

فاضل جلیل علامہ سید محمود احمد صاحب نے ’فیوض الباری‘ فی صحیح بخاری میں رسول کے مرتبہ و مقام سے متعلق جو مضمون تحریر فرمایا ہے وہ مختصر ہونے کے باوجود کافی مفید ہے اس مقام پر اس کو من و عن نقل کر دینا کافی ہے۔

مَا أَزْنَمَلًا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ط ﴿سورۃ النساء: ۶۴﴾

ہم نے جو رسول بھیجا ہے، اسی لئے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول کے ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، یہ نہیں کہ صرف اس کو اللہ کا رسول مان لیا جائے۔ پھر اطاعت رسول کا جہاں جہاں حکم آیا ہے بالکل مطلق ہے، اس میں کوئی قید نہیں ہے، کہ فلاں امور میں تو رسول کی اطاعت کر دو اور فلاں میں نہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول ایک حاکم عام ہے جو حکم بھی دے اس کا ماننا لازمی ہے۔ قرآن نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ رسول کی اطاعت، اللہ کی اطاعت کی طرح ہے۔ رسول کی اطاعت ایک عام انسان کی اطاعت کی طرح نہیں ہے، جیسا کہ جاہل کفار کا خیال تھا جو کہتے تھے۔

هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ ط ﴿سورۃ الاحزاب: ۳﴾

کیا تم جیسا ایک بشر نہیں ہے

وَلَقَدْ أَنْطَقْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذَا لَخَمِيضُونَ ط ﴿سورۃ المؤمن: ۴۳﴾

اگر تم نے اپنے جیسے ایک بشر کی اطاعت کی تو تم ضرور دھوئے میں رہو گے۔

قرآن نے جاہل کفار کے اس خیال کی تردید کر دی اور مومنوں کو یہ اطمینان دلایا کہ رسول کی اطاعت عام انسانوں کی اطاعت کی طرح نہیں، بلکہ دراصل خدا کی اطاعت ہے۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ ﴿سورة النساء: ۸۰﴾

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ رسول منجانب اللہ امام اور بادی ہوتا ہے اور ہر اختلاف اور نزاع کی صورت میں رسول کو حکم بنانا کسی طرح ضروری ہے جس طرح خدا کو۔

وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُهْلِكُونَ بِآيَتِنَا ۖ ﴿سورة النمل: ۸۳﴾

ہم نے انبیاء کو امام بنایا ہے وہ ہمارے حکم سے زمینائی کرتے ہیں۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ ﴿سورة النساء: ۵۹﴾

فَلَنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ۖ ﴿سورة النساء: ۵۹﴾

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولی الامر کی، جو تم میں سے ہوں۔

پھر اگر تمہارے درمیان کسی بات میں نزاع ہو تو اس میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔

فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ۖ کافرہ خاص طور پر قابل غور ہے۔ مسائل شرعی میں جب مسلمانوں کے درمیان اختلاف واقع ہو تو حکم ہے کہ خدا اور رسول کی طرف رجوع کریں۔ اس میں خدا اور رسول دونوں کو حکم بنانے کا حکم ہے۔ اگر مرجع بالکل قرآن مجید ہوتا تو فرقدہ الی اللہ کہنا کافی تھا۔ لیکن اس کے ساتھ والہ رسول بھی کہا گیا ہے، جس میں صاف وضاحت ہے کہ قرآن کے بعد رسول کا طریقہ ہی مرجع ہے۔ اور دین کے اصلی دو جز قرآن اور حدیث ہی ہیں۔

قرآن نے یہ بھی واضح کر دیا کہ رسول کریم ﷺ کے فیصلہ کو دل و جان سے ماننا ہر اہل ایمان کیلئے فرض، بلکہ شرط ایمان ہے۔ جو شخص رسول کے فیصلہ کو نہ مانے وہ بے ایمان ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ --- ﴿سورة النساء: ۵۹﴾

اے رسول تیرے رب کی قسم یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک

اپنے تمام معاملات میں تجھیں حکم نہ مان لیں۔

مَا كَانَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَا الْمُؤْمِنَاتِ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ

أَمْرًا أَنْ يُحْجِزُوا لَهُمْ الْخَيْرَ مِنْ أَمْرِهِمْ ۖ ﴿سورة الاحزاب: ۳۶﴾

کسی مرد مومن کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دیں تو

پھر ان کو اپنے معاملہ میں خود کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہے۔

یہاں کسی زمانے کی قید نہیں ہے، مومن و مومنہ سے صرف عہد نبوی کے مومن مرد و

عورت مراؤ نہیں ہیں بلکہ قیامت تک کے ہیں، امرًا کا لفظ نہایت عام ہے جو ہر قسم کے معاملات پر حاوی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہر کام، ہر بات میں خدا اور رسول کے فیصلہ کو تسلیم کرنا فرض ہے۔ قرآن نے یہ بھی اعلان کیا کہ اللہ کی طرح اس کے رسول کو بھی ساری دنیا کی چیزوں سے محبوب رکھنا ضروری ہے۔ جو ایسا نہ کریں وہ ناقصین سے ہیں اور اللہ کی ہدایت سے محروم ہیں۔ جب اللہ اور رسول کسی کام کی دعوت دیں اور پکاریں تو اس پر لبیک کہنا ہر مومن کیلئے فرض ہے۔

أَحَبُّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهًا فِيهِ
سَبِيلُهُ فَتَرْضَوْا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ط ﴿سورۃ البقرہ ۲۳﴾

اگر یہ دنیا تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہے تو اللہ کے امر (عذاب) کا انتظار کرو

اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ ﴿سورۃ النعال ۲۳﴾
اللہ اور اس کے رسول جب تم کو آواز دیں تو فوراً لبیک کہو۔

اور یہ بھی مومن وہی ہیں جو اللہ اور رسول کے حکم پر لبیک کہتے ہیں اور اللہ و رسول دونوں کی اطاعت کرتے ہیں۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ
لِيَخْبُرَهُمْ أَنِ يَتَّبِعُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ط ﴿سورۃ النور ۵۱﴾

ایمان والوں کو جب اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف

بلایا جائے تاکہ اللہ اور رسول ان کے درمیان فیصلہ دیں تو ان

کا جواب ہوا اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ وہ کہیں سمعنا واطعنا۔

۔۔۔ قرآن نے یہ بھی بتا دیا کہ کسی شخص کی کامیابی اور فوز و فلاح کیلئے جس طرح اللہ کی اطاعت ضروری ہے اسی طرح رسول کی اطاعت بھی فرض ہے۔ جس طرح اللہ کی نافرمانی گمراہی و بدبختی ہے اسی طرح رسول کی نافرمانی کا حال ہے۔

مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿سورۃ الاحزاب ۷۱﴾
جس نے اللہ کی اطاعت کی اور اس کے رسول کی اس نے بڑی ماری کو پایا۔

مَنْ يُعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ط ﴿سورۃ الاحزاب ۳۶﴾
جس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی اس کو کھلی گمراہی میں ہے۔

قرآن نے یہ بھی ہدایت دی ہے کہ مسلمانوں کو رسول کی نافرمانی کی کوئی بات بھی آپس میں نہیں کرنی چاہئے۔ ایک مؤمن پر اس کی جان کا جتنا حق ہے اس سے کہیں زیادہ اس پر بھی کا حق ہے۔ اور اللہ کے ساتھ نبی کو راضی کرنا بھی ضروری ہے بلکہ شرط ایمان ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَسْجُودُوا لِلْإِثْمِ
وَالْعُلُوقِ وَغَصَبِ الرُّسُلِ ﴿سورة الاحزاب: ۹۰﴾

اے ایمان والوں جب تم چپکے چپکے کوئی بات کر دو گناہ،
زیادتی اور ظلم، رسول کی نافرمانی کی کوئی بات نہ کرو۔

الَّذِينَ آمَنُوا بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ ﴿سورة الاحزاب: ۶۰﴾

وہی مؤمنین سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں
یا۔۔۔ (وہی مؤمنین سے ان کی جانوں سے زیادہ ناک ہیں)

وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرَٰضُوهُ إِنِ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿سورة الاحزاب: ۶۳﴾
مؤمنین کیلئے اللہ کے ساتھ اس کے رسول کو بھی راضی کرنا ضروری ہے۔

قرآن نے ان منافقین کی مذمت بھی کی جو اپنی خود غرضی اور منافقت کی وجہ سے اللہ اور
اس کے رسول کی اطاعت میں کوتاہی کرتے ہیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَىٰ الرَّسُولِ
رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُوكَ ﴿سورة النساء: ۶۱﴾

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کتاب کی طرف جس کو
اللہ نے نازل کیا، اور رسول کی طرف آؤ جو اے رسول تو بھیجے گا
ان منافقوں کو کہ اعراس کرتے ہیں تیری طرف سے۔

اس آیت میں رسول کی اطاعت کا جس طرح حکم دیا گیا ہے وہ اس امر کی وضاحت کرتا
ہے کہ رسول کی اطاعت مستقل طور پر فرض ہے دیکھئے ما انزل الله تو کتاب ہے لیکن والی الرحمن
یہ کتاب نہیں ہے۔ یہ تو رسول کی مستقل طور پر اطاعت کا حکم ہے۔

قرآن نے یہ بھی اعلان کیا کہ کفار دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد جس طرح اللہ کی
نافرمانی پر کف افسوس نہیں گئے اسی طرح رسول کی نافرمانی پر بھی افسوس کریں گے۔

يَوْمَ تَقُفُّهُمْ أَمْهَلٌ وَأَمَلٌ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا

أَمْهَلْنَا اللَّهَ وَأَمْهَلْنَا الرَّسُولَ ﴿سورة الاحزاب: ۶۴﴾

جس دن ان کے منوالہ الہ کر آگ میں تلے جائیگے تو کہتے ہو گئے
ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔

اگر رسول کی اطاعت ایک مستقل اطاعت نہیں تھی تو پھر اللہ اور رسول کی اطاعت کو
علاحدہ علاحدہ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ قرآن نے یہ بھی بتا دیا کہ رسول کی اطاعت غیر
مشروطہ اور غیر محدود طور پر ہے۔ اس میں کسی زمانے کی قید نہیں ہے۔ اور رسول مستقل طور پر خدا کی
طرح مطاع ہے۔ فرق یہ ہے کہ رسول کی اطاعت خدا ہی کے حکم اور ان سے کی جاتی ہے۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ﴿۵۹۰﴾

اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی

یہاں أَطِيعُوا الرَّسُولَ کو أَطِيعُوا اللَّهَ سے الگ ایک مستقل جملہ کی شکل میں لایا گیا
ہے جس سے اس امر کی وضاحت مقصود ہے کہ رسول کی اطاعت بھی مستقل طور پر فرض ہے۔ اور
اگر اس کا یہ مطلب ہوتا کہ بس رسول جو کتاب لائے ہیں اسکو مانا جائے تو اطیعوا اللہ کہنا ہی کافی
تھا، اطیعوا الرسول کے اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔

قرآن نے یہ بھی بتایا کہ رسول کی مستقل طور پر اطاعت اسلئے ضروری ہے کہ رسول جو
کچھ کہتا ہے وہ خدا کی ہدایت اور انکی وحی کے ماتحت کہتا ہے۔ وہ اپنے نفس کی خواہش سے کوئی
بات نہیں کہتا اسلئے تم کو مطمئن ہو جانا چاہئے کہ رسول کی پیروی میں کسی قسم کی گمراہی اور غلط روی
کا خطرہ نہیں ہے۔

مَنْ ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۚ وَمَا يَنْطِقُ

عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنَّ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿۵۹۱﴾

تمہارے صاحب (ﷺ) نہ گمراہ ہوئے اور نہ گمراہی ہوئی، وہ اپنی خواہش
سے نہیں بولتے، وہ جو کچھ کہتے ہیں وہی وحی سے کہتے ہیں جو ان پر کی جاتی ہے۔

إِنَّ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ میں ہو، کی ضمیر نطق رسول کی طرف لوتی ہے۔ جکا ذکر مانتی
میں کیا گیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں کوئی اشارہ بھی موجود نہیں ہے کہ نطق رسول کو صرف قرآن کے
ساتھ مخصوص کیا جائے۔ یہاں تو ہر اس بات کو وحی الہی قرار دیا گیا ہے جس پر نطق رسول کا اطلاق کیا
جاسکتا ہے، جس سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول کا نطق (بولنا) خالص وحی سے ہوتا ہے اور اس
میں رسول کی خواہش کو قطعاً دخل نہیں ہوتا۔

وَاللّٰهُ يَعْصِيكَ مِنَ النَّاسِ ط
(مسند امام احمد ۱/۴۷۷)

--- یعنی --- اللہ تعالیٰ تم کو لوگوں کی دست برد سے بچائے گا

--- اس آیت کا صرف یہی مطلب نہیں کہ جسم نبویؐ کو دشمنوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔ بلکہ یہ بھی ہے کہ رسول کریم ﷺ کا وجود مبارک اللہ کی حفاظت میں ہے۔ اسلئے نبی کریم ﷺ کی آنکھیں اور ان کی زبان حق دیکھتی اور حق ہی کہتی ہیں۔ اور نبی دین سے متعلق جو کچھ فرماتا ہے وہ منشاءِ یزدی کی ترجمانی ہوتی ہے۔

ان آیات قرآنیہ نے بتا دیا کہ نبی صرف پیامبر ہی نہیں ہوتا بلکہ امر و نہی بھی ہوتا ہے اور وہ اپنے قول و عمل سے نازل شدہ کتاب کے احکام کی جو تفسیر و تشریح اور توضیح فرماتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے منشاء کی ترجمانی ہوتی ہے اور دین سے متعلق رسول کا قول و عمل قرآن کی طرح غیر متبدل اور واجب العمل ہوتا ہے۔

دیکھا آپ نے علامہ موصوف کی تحریر کی روشنی میں نبی کریم پر جہت رسالت، جو فضل ربانی ہوا ہے، اس کے چند نمونوں کو۔۔۔ انہی سے اندازہ لگائیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی کا حصول نبی کریم کی کن کن صفات عالیہ اور کمالات لازمہ کی شہادت کے بعد عالم و جود میں آئے گی۔ رہ گئے وہ صفات کمالیہ جو فضل الہی نے اپنے محبوب کو بہت محبوبیت عطا فرمائے ہیں ان کا تو شمار و احصاء مجھ جیسے بے بصاعت سے تو ناممکن ہے۔ جبکہ اچھے لوگ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔

بعد از خدا بزرگ تو کی قصہ مختصر

۳۸۔۔۔۔۔ ان تشهد۔۔۔۔۔: طابرحدیث سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ زبانی اقراء احکام کے اجراء کیلئے شرط ہے۔

۳۹۔۔۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ اس کا معنی یہ ہے کہ ان توحید اللہ ولا تشرك به شیطان یعنی اللہ کو ایک جانو اور کسی کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔

۔۔۔۔۔ الحاصل۔۔۔۔۔ اس قول میں عبادت سے مراد توحید ہے۔ جس میں شرک کو جو توحید کی

وَاللّٰهُ يُعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط

﴿ سورہ النور ۶۴ ﴾

یعنی۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ تم کو لوگوں کی دست برد سے بچائے گا

۔۔۔۔۔ اس آیت کا صرف یہی مطلب نہیں کہ جسم نبوی کو دشمنوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔ بلکہ یہ بھی ہے کہ رسول کریم ﷺ کا وجود مبارک اللہ کی حفاظت میں ہے۔ اسلئے نبی کریم ﷺ کی آنکھیں اور ان کی زبان حق و سچتی اور حق ہی کہتی ہیں۔ اور نبی دین سے متعلق جو کچھ فرماتا ہے وہ فشاء ایز دی کی ترجمانی ہوتی ہے۔

ان آیات قرآنیہ نے بتا دیا کہ نبی صرف پیامبری نہیں ہوتا بلکہ آمو دنا ہی بھی ہوتا ہے اور وہ اپنے قول و عمل سے نازل شدہ کتاب کے احکام کی جو تفسیر و تشریح اور توضیح فرماتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فشاء کی ترجمانی ہوتی ہے اور دین سے متعلق رسول کا قول و عمل قرآن کی طرح غیر متبدل اور واجب العمل ہوتا ہے۔

دیکھا آپ نے علامہ موصوف کی تحریر کی روشنی میں نبی کریم پر جہت رسالت، جو فضل ربانی ہوا ہے، اس کے چند نمونوں کو۔۔۔۔۔ انہی سے اندازہ لگائیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی کا حصول نبی کریم کی کن کن صفات عالیہ اور کمالات لازمہ کی شہادت کے بعد عالم وجود میں آئے گی۔ رہ گئے وہ صفات کمالیہ جو فضل الہی نے اپنے محبوب کو بہت محبوبت عطا فرمائے ہیں ان کا تو شمار اوصاء مجھے جسے بے بضاعت سے تو ناممکن ہے۔ جبکہ اچھے اچھے لوگ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

۳۸۔۔۔۔۔ ان تمشہد۔۔۔۔۔ فی: طاہر حدیث سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ زبانی

اقرار احکام کے اجراء کیلئے شرط ہے۔

۳۹۔۔۔۔۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ اَنْ تُعْبِدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ اس کا معنی یہ

ہے کہ ان توحید اللہ ولا تشرك به شیعائن الاشیاء یعنی اللہ کو ایک جانو اور کسی کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔

۔۔۔۔۔ الحاصل۔۔۔۔۔ اس قول میں عبادت سے مراد تو حید ہے۔ جیسی شرک کو جو تو حید کی

خند ہے، اس کا مد مقابل قرار دیا گیا ہے۔ لہذا اس کا بھی حاصل مراد وہی رہا جو 'ان تشہدان لا الہ الا اللہ' کا حاصل مدعا ہے۔

۴۰۔۔۔ وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ یعنی کلمہ توحید کی شہادت کے بعد اسلام کا دوسرا رکن نماز ہے۔ اقامت صلوٰۃ کی مختصر اور جامع تشریح جو اوپر پارے کے تحت گزر چکی۔

مسلم حدیث جبرئیل :
فہرست
تنبیہ ہے کہ لو اصل ارچہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں، عین۔۔۔۔۔ بایں ہمہ۔۔۔۔۔ وہ ارکان اسلام سے نہیں، کہ ان پر عداوت اور بغض لازمی ہو۔

۴۱۔۔۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم کی دو معراج ہوئیں: ایک عالم جس میں اور دوسری عالم ارواح میں۔

عالم جس کی معراج کا آغاز مسجد حرام سے ہوتا ہے، جس کی پہلی منزل مسجد اقصیٰ ہے اور دوسری منزل عالم ملکوت ہے اور تیسری منزل محل ملا علی ہے۔ اور عالم ارواح کی معراج کی ابتداء عالم شہادت سے ہوتی ہے، جس کی پہلی منزل عالم غیب ہے اور دوسری منزل بارگاہ غیب الغیب ہے۔ جب حضور نبی کریم نے معراج سے واپسی کا ارادہ کیا تو رب جبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب مسافر اپنے وطن کی طرف پلٹتا ہے، تو اپنے اصحاب کیلئے کوئی نیکوئی تحفہ لے جاتا ہے۔ لو یہ نماز تہجد کی امت کیلئے ایک گراں قدر تحفہ، الہیہ ہے جو معراج جسمانی اور معراج روحانی، دونوں کی جامع ہے۔

یعنی اسکے آداب وافعال کو جسمانی معراج کی حیثیت حاصل ہے اور اسکے احوال واذکار کو روحانی معراج کا مقام حاصل ہے۔ اسی بناء پر ایک روایت میں ہے:

«الصَّلَاةُ مِعْرَاجُ الْمُتَوَكِّلِينَ»

نماز متوکلین کی معراج ہے۔

۔۔۔۔۔ تحفہ نبی کریم کو امت کیلئے اس وقت عطا فرمایا گیا جبکہ آپ۔۔۔۔۔ ذُنِّي قَتَلْتَنِي فَكُنَّانَ فَاتَبْتُ قَوْلَ سَيِّئَةٍ اَوْ اَكْذَبْتَنِي۔۔۔۔۔ کی منزل قرب الہی میں تھے، تو مولیٰ تعالیٰ نے آپ کی امت کو وہ تحفہ عطا فرمایا جس کے ذریعہ قرب خداوندی کے انوار کے فیوض و برکات حاصل ہوتے رہیں۔

نماز کی برتری اور بہتری کو نمایاں کرنے کیلئے اس مذکور بالا تحریر کے بعد اب اور کیا چاہئے۔ باقی تفصیلات اپنے موقع پر آئیں گی۔۔۔۔۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۳۲۔۔۔۔۔ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ: بخاری و مسلم کی روایت میں ’الزَّكَاةُ‘ کے ساتھ ’السُّمْرُ وَضَعُ‘ کی قید بھی ہے جو محض تاکید کیلئے، اس کا مشابہ نہیں ہے کہ کوئی ’زکوٰۃ نافلہ‘ بھی دیتی ہے۔ زکوٰۃ اس قدر معین کا نام ہے جو نصاب سے بہت زکوٰۃ نکالی گئی ہو اس قدر مخرج کو زکوٰۃ اسلئے کہتے ہیں کہ اس سے نصاب اور صاحب نصاب دونوں کی تطہیر ہوتی ہے۔ جیسا کہ جواہر پارے کے تحت بیان کیا جا چکا ہے۔ صوفیہ کے نزدیک زکوٰۃ سے ترک اموال کے ذریعہ ظاہر و باطن کے احوال کے تزکیہ کی طرف اشارہ ہے۔۔۔۔۔ نیز۔۔۔۔۔ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ قلب کو اغیار سے خالی کر لیا جائے تاکہ روح کو تخلیہ میسر ہو اور اس پر انوار الہیہ کی تجلیات کا ظہور ہو۔

۳۳۔۔۔۔۔ وَتَصُومُ رَمَضَانَ: یہاں رمضان سے مراد مشہور رمضان یعنی ماہ رمضان ہے۔ اس سے لفظ ’شہر‘ کے ذکر کے بغیر رمضان کے ذکر کے ’جواز‘ بے کراہت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ یہ تو ظاہر ہو چکا ہے کہ رمضان ’رمض‘ سے ماخوذ ہے اور ’رمض‘ گرمی کی جلن کو کہتے ہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ وجہ تسمیہ سے متعلق مختلف احتمالات ہیں جن میں بعض کا جو ذکر جواہر پارے کے تحت گزر چکا، ان بعض کے علاوہ بعض امکانات کی یہ ہیں۔۔۔۔۔ ا۔۔۔۔۔ چونکہ حالت صوم میں صائم بھوک و پیاس کی گرمی سے گویا جل اٹھتا ہے لہذا ماہ صوم کو ماہ رمضان کہہ دیا گیا۔

۲۔۔۔۔۔ چونکہ صوم سے گناہ جل کر خاکستر ہو جاتے ہیں اور عیوب محو ہو جاتے ہیں، مٹ جاتے ہیں، اس وجہ سے ماہ صوم کو ماہ رمضان کہہ دیا گیا۔

۳۔۔۔۔۔ چونکہ صوم سے شہوات و خواہشات کی حرارت زائل ہو جاتی ہے۔ یعنی شہوات کی دنیا میں آگ لگ جاتی ہے جس سے ان کا وجود باقی نہیں رہتا۔ اسلئے ماہ صوم پر ماہ رمضان کا اطلاق کیا جانے لگا۔۔۔۔۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

۳۴۔۔۔۔۔ صوم شریعت کے منافع، حد و حساب سے باہر ہے اور بالقرض اگر کوئی بھی نفع نہ ہوتا تو یہی کیا کم ہے کہ صائم کو صوم کے ذریعہ غلاء اعلیٰ سے بھتہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور پھر

صوم کو وہ مقام حاصل ہے کہ رب ﷻ ارشاد فرماتا ہے:

الصَّوْمُ لِي وَأَنَا أُجْزِي بِهِ (حَدِثِ قَدِيسٍ)
روزہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کی جزا دوں گا
میں خود اس کی جزا دوں گا

-----یا-----

-----اجزی کو صرف پڑھنے یا مجہول دونوں صورتوں میں روزہ کی سب سے بڑی نعمت کا اظہار ہوتا ہے۔

۳۵۔۔۔۔۔ اہل طریقت کے نزدیک صوم ’الْمَسْكَاةُ عَنِ الْاَكْوَانِ وَالْاَفْطَاةُ بِسَهْا هَذِهِ الرُّخْنِ‘ کا نام ہے۔ یعنی اکوان سے اپنے کو روکنا اور مشاہدہ جمال الہی سے لذت آٹھا ہونا صوم طریقت ہے۔

۳۶۔۔۔۔۔ وَتُجْعَلُ الْبَيْتُ۔۔۔۔۔ الع ’البیت‘ میں الف لام عہد کا ہے، جس سے مراد ’البیت الحرام‘ (خانہ کعبہ) ہے۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ البیت امّ ہے۔ جس کا غالب استعمال بطور علم، خانہ کعبہ کیلئے ہونے لگا۔ اس صورت میں النجم کی طرح البیت کا الف لام بزرگ ہوگا۔

نہیں اس راستے کا نام ہے جس میں سہولت ہو، مگر اس کا استعمال ہر اس چیز کیلئے ہونے لگا جس کو کسی شے کی طرف پہنچنے کا حیلہ بنایا جائے: سبیل الیہ کے بجائے الیہ مسیلا فرمایا گیا، تاکہ اختصاص کا فائدہ حاصل ہو۔ اس صورت میں حاصل کلام یہ ہوگا کہ توجہ کرے بیت اللہ کا، اگر وہاں تک پہنچنا تیرے لئے کسی بھی راہ سے ممکن ہو، خواہ قریب کی راہ ہو یا دور کی۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ راہ بیت حرام ہی کی طرف پہنچانے والی ہو، کسی اور طرف نہ لے جائے۔

۳۷۔۔۔۔۔ اس مقام پر یہ شہد وارد ہوتا ہے کہ استطاعت جس سے مکلف فعل طاعت و عبادت پر قادر ہو سکے اور اطاعت و عبادت کے وجوب کی ادائیگی سے اپنے کو سبکدوش کر سکے تو جملہ ارکان اسلام میں مشروط ہے۔ پھر حج ہی کے ساتھ اس استطاعت کو کیوں مخصوص کیا گیا۔

۔۔۔۔۔ المختصر۔۔۔۔۔ استطاعت تو ہر عمل کیلئے شرط ہے پھر حج کے ساتھ خصوصی طور پر اس کے ذکر کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ’فریضہ حج‘ میں جس استطاعت کو مشروط قرار دیا گیا ہے، اس کا ایک خاص معنی ہے۔ اور وہ ہے ’زاورہ اور سواروی‘۔۔۔۔۔ الغرض۔۔۔۔۔ زاورہ اصلہ کی تعبیر استطاعت سے کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ اس طرح کی استطاعت دوسرے ارکان اسلامہ میں

مشروط نہیں ہے۔۔۔ فقط و بگ۔۔۔ استطاعت کا معنی ہے قدرت۔

اسکا اطلاق اسباب و آلات کی صحت و سلامتی پر بھی ہوتا ہے اور جو ہر حیوان کے اس عرض پر بھی، جس کے ذریعہ حیوان اپنے اختیاری افعال کے صادر کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ استطاعت بمعنی اول کبھی کبھی فعل پر مقدم ہو جاتی ہے۔ مگر استطاعت بمعنی ثانی فعل کے ساتھ ساتھ ہی رہتی ہے۔ اور ج میں جو استطاعت بطور شرط مطلوب ہے وہ استطاعت بمعنی اول ہے۔

۴۸۔۔۔ استطاعت بمعنی زاد و را حلہ کی قید شاید اسلئے لگائی ہو کہ کچھ لوگ ایسے تھے جو زاد و را حلہ کے فقدان کو سفر ج کیلئے مانع نہیں قرار دیتے تھے اور حجاج کو مشقت و صعوبت میں ڈال دیتے تھے تو استطاعت زیر بحث کی قید کو طہا ہر کر کے ایسوں کو ان کی اس حرکت سے روک دیا گیا۔ یا یہ کہ علم الہی میں تھا کہ آخری زمانہ میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو مذکورہ بالا حرکت کا ارتکاب کرینگے۔ تو تمام بندوں کی سہولت کیلئے مولیٰ تعالیٰ نے صراحۃً اس قید (یعنی استطاعت) کا ذکر فرمادیا۔ تاکہ غیر مستطیع لوگ اپنے کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالیں۔

باوجود اسکے کہ ایسے لوگ ہیں جو اس ’نفس جلی‘ پر غور نہیں کرتے اور اپنے کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں اور غیر مستطیع ہونے کے باوجود سفر ج کی صعوبت و مشقت کا اٹھاتے ہیں۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ شاید اس میں (یعنی استطاعت کے صراحۃً ذکر میں) حکمت یہ ہو کہ اس صورت میں یہ آیت کریمہ صراحۃً تا زیادہ عبرت ہو جاتی ہے اُن اغنیاء کیلئے جو مال و اثاث رکھنے کے باوجود تارکین حج سے ہیں۔

۴۹۔۔۔ توحید مطلوب ہے اور وہ بھی ایسی مطلوب ہے جسے پوری زندگی کے کسی لمحے میں بھی اپنے سے الگ کرنے کی اجازت نہیں۔ نماز مطلوب ہے مگر دن میں فقط پانچ وقت کی۔ روزہ مطلوب ہے مگر سال میں صرف تیس دن کا۔ زکوٰۃ مطلوب ہے مگر سال میں صرف ایک بار اور حج مطلوب ہے مگر عمر میں صرف ایک بار۔ تو چاہئے یہ تھا کہ جواب میں یہی ترتیب ملحوظ خاطر رکھی جاتی ’اولیٰ فلاولی‘ کے اصول پر یعنی پہلے ذکر توحید پھر ذکر صلوات پھر صوم پھر ذکر زکوٰۃ اور پھر ذکر حج۔

ارشادِ گرامی میں ترتیب تو قریب قریب یہی ہے، ہاں صرف اتنا فرق ہے کہ ذکر زکوٰۃ کو ذکر صوم پر مقدم کر دیا گیا ہے، شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ صوم و صلوات دونوں عبادت بدنی سے ہیں، اور

زکوٰۃ عبادت مالی سے۔ تو ایک عبادت بدنی، یعنی نماز کا ذکر جب شروع میں ہو گیا تو اسکے بعد فوراً عبادت مالی، یعنی زکوٰۃ کا ذکر مناسب خیال کیا گیا۔

قرآن کریم میں جا بجا نماز کے ذکر کے بعد فوراً زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے۔ تو نماز کے بعد زکوٰۃ کے ذکر میں خیر الکلام کی اقتداء بھی ہو جاتی ہے۔ بعض روایت میں حج کا ذکر نہیں۔ بعض میں صوم کا ذکر نہیں۔ بعض میں صرف شہادتین کا ہی ذکر ہے۔ اور بعض میں صرف صلوٰۃ و زکوٰۃ ہی کا ذکر ہے۔ اس ذکر و عدم ذکر سے یہ نہ سمجھ لیتا چاہئے کہ یہ روایتیں آپس میں متخالف و متضارب ہیں اسلئے کہ مفصل روایت کے سامنے غیر مفصل روایت کو راوی کے دھول و سیان پر مبنی قرار دیا جائے گا۔ یا یہ کہا جائے گا۔۔۔ لٰئِلٰہِ اِلَّا وَجْہُہُ۔۔۔ ہر راوی کا اپنا ایک رخ ہے۔ ایک نقطہ نظر ہے اور ہر ایک کا ایک الگ اسلوب بیان ہے۔ لہذا بعض نے روایت کو جوں کا توں بیان کر دیا۔ بعض نے ذکر حج کو حذف کر دیا، اس خیال سے کہ اس کا وجوب نادر ہے اور عمر میں صرف ایک بار ہے۔ بعض نے صوم کو حذف کر دیا، اس خیال سے کہ صوم و صلوٰۃ دونوں عبادت بدنی ہیں تو جب ایک عبادت بدنی کا ذکر ہو گیا تو دوسری عبادت کے ذکر کی ضرورت نہ رہی۔

بعض نے صرف شہادتین کے ذکر پر اکتفا کر لیا اسلئے کہ یہی دونوں تو اسلام کی بنیاد ہیں اور بعض نے صرف صلوٰۃ و زکوٰۃ کے ذکر پر اکتفا کیا، اس خیال سے کہ عبادت کی چند قسمیں ہیں۔ ایک بدنی اور ایک مالی اور وہ ایک وہ جس کا کچھ حصہ بدنی ہو اور کچھ حصہ مالی۔ اور چونکہ نماز عبادت بدنی میں ممتاز ہے اور زکوٰۃ عبادت مالی میں۔ لہذا انہی دونوں کا ذکر کافی ہے یہ دونوں سب کی نمائندگی کر رہی ہیں۔

۔۔۔ المختصر۔۔۔ کوئی بھی روایت ہو خواہ وہ نسبتاً مفصل ہو یا مختصر۔ ان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ جملہ ارکان اسلام کو پورے پورے طور پر ایسا بیان کر دیا جائے کہ کسی کا ذکر نہ جائے بلکہ مقصود صرف اتنا ہے کہ یہ ظاہر کر دیا جائے کہ اسلام، نام ہے طاعت و انقیاد و عبادت کا۔

یہ اور بات ہے کہ ارکانِ خمسہ دوسرے ارکان کے لحاظ سے افضل و برتر ہیں۔ تو خواہ ارکانِ خمسہ کا ذکر ہو یا کئے بعض کا، انکی حیثیت مثال کی ہوگی اور اس مثال سے باقی ارکان پر تنبیہ ہوگی۔

اس لئے ایک روایت میں ہے:

وَتَتَمَّ وَالْغَسَّالَ مِنَ الْجَنَابَةِ وَتَتَمَّ الْوُضُوءُ،

۔۔۔ الفاصل۔۔۔ یہ اختلاف لفظی تحدیث معنوی پر محمول کی جائے گی۔

۵۰۔۔۔ اہل طریقت فرماتے ہیں کہ ’حج‘ سے اشارہ ہے کہ اللہ کے دوست اور ظہیل پر بیت جلیل کی زیارت، استطاعت تکمیل کی صورت میں واجب ہے۔ استطاعت کی صورت یہ ہے کہ سلوک کے جملہ شرائط و امکان اور سفر کے جملہ آداب و ارکان موجود ہوں۔ ان آداب و ارکان وغیرہ میں بعض یہ ہیں۔

☆ رسوم و عادات سے خروج کا احرام ☆ مالوفات اور محبوب اشیاء سے علاحدگی ☆

☆ نیت و قلب کی صفائی سے اللہ تعالیٰ کی طرف کمال توجہ ☆ عرفات معرفت میں وقوف و گامزنی ☆

☆ جبل رحمت کی چوٹ پر ہمیشہ لازم رہنا۔ یا یہ کہ جبل رحمت کی وادی کے گرد گرد پھراگنا ☆

☆ کعبہ و ربوبیت کے گرد طواف کرنا، بہینہ نہ اٹھارے ’اطواف سبب‘

(سات پھروں) کے ذریعہ نکلنے کے بعد ☆

☆ صفات کے صف اور مروات کے مروۃ کے درمیان سعی ☆

☆ آٹھ عہدیت کے سیاد و انون کا انوارا لہیہ کے اُتر سے سے خلق وغیرہ با ☆

۵۱۔۔۔ لَعَنَ جَبْنَائِلَہُ، یَسْتَلْہُ، وَیُصَلِّعْہُ؛ تعجب کی زیادتی کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا

ہے کہ سرکار رسالت نے اپنے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا۔ لوگوں کو اس کا علم رسول کریم ہی کے ذریعہ ہو سکتا تھا اور اس آنے والے کی رسول کریم سے ملاقات کسی کے علم و معرفت میں نہ تھی۔ اور جب ملاقات ہی ثابت نہ تھی تو پھر رسول کریم سے کسی بات کے سننے کے ثبوت کا سوال ہی کیا ہو سکتا تھا۔۔۔ بایں ہمہ۔۔۔ اس آنے والے آدمی نے سرکار رسالت کے ارشاد استعالیٰ کی تصدیق کر کے ان امور سے اپنے باخبر ہونے کی طرف واضح اشارہ کر دیا تو کس قدر حیرت کی بات تھی کہ ایک آدمی رسول کریم سے بغیر ان امور سے باخبر ہو جائے۔

۵۲۔۔۔ ایک روایت میں ہے۔۔۔ لَعَنَہُ مَعْنَا فَوَلَّی الرَّجُلَ صَلَّیْتُ اَنْجَحَرْنَاہُ

یعنی اس آنے والے مرد کا سرکار کا جواب سن کر صدمت (آپ نے سچ کہا) کہنا ہم

لوگوں کو ناؤر خاطر ہوا۔

ایک دوسری روایت میں ہے: اُنْظُرُوا نِسَاءَ لِهٖ وَتَصَدَّقْهُ، سَكَانَهُ اَعْلَمُ مِنْهُ، ویکھو تو آپ نے سوال بھی کر رہا ہے اور خود ہی تصدیق بھی کر رہا ہے۔ گویا کہ وہ آپ سے زیادہ خبر رکھتا ہے۔

ایک تیسری روایت میں ہے: مَا رَأَى نِسَاءً رَجُلًا مُنْذُ هَذَا اَحْسَنَ، يَعْلَمُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِهٖ، صَدَقَتْ صَدَقَتْ کہتا ہے۔ محسوس کیا آپ نے صحابہ کرام سے اس اضطراب کو جو ان روایتوں کے جواب سے چھین چھین کر نکال رہا ہے۔ صحابہ کرام کی محبت نہ چیز کو بھی برواشت نہ کر سکتی کہ کوئی شخص رسول کی بارگاہ میں ایسا انداز کلام اختیار کرے جس سے:

’جی ہاں برتری مترشح ہو۔

کہاں ہیں رسول کو اپنا جیسا تصور کرنے والے؟ انھیں اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنی چاہئے اور کہاں ہیں رسول کے مقابلے میں شیطان کی علمی برتری کا خطبہ پڑھنے والے اور علم رسول کی سہی و بہائم و جانین کے علوم سے تشبیہ دینے والے؟ انہیں صحابہ کرام کے اس طرز صحبت سے سبق حاصل کرنا چاہئے اور اپنی زبان تحریر کی مطلق العنانی۔۔۔ نیز۔۔۔ قلم کی ایمان سوز خوشی پر نام و ثر مند ہونا چاہئے اور کہاں ہیں صحابی ادب کی آؤ لیکر محبوب رب العالمین کو ان پڑھ با دیہ نشین کہنے والے؟ انھیں اپنی صحافت بے جا پُرشیریت حق کو قربان کرنے سے غیرت آنی چاہئے۔

۵۳۔۔۔ قَالَ فَاجْهَرْنِي عَنِ الْاِيْمَانِ: بخاری کی روایت میں اَمَّا الْاِيْمَانُ، ہے۔ بخاری کی روایت پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ لفظ اَم سے ماہیت شے کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے۔ لہذا جواب سوال کے مطابق نہیں۔ اس اشکال کو دو صورتوں سے دور کیا گیا ہے:

۱۔۔۔ سرکارِ مدینے نے جواب میں سوال کے لفظوں کی رعایت نہیں فرمائی بلکہ مسائل کے مقصد و مدعا کو نظر میں رکھ کر جواب مرحمت فرمایا۔ سرکار نے یہ جان لیا تھا کہ مسائل ایمان کے متعلقات کی وضاحت چاہتا ہے کیونکہ مسائل ’تعلیم حاضرین‘ کیلئے حاضر ہوا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ تعلیم کیلئے متعلقات ایمان کی وضاحت زیادہ مناسب تھی۔

۲۔۔۔ متعلقات ایمان کے ذکر کے ضمن میں ماہیت ایمان (یعنی تصدیق) کا بھی ذکر ہو جاتا ہے۔

۳۔۔۔ سرکار رسالت کے ارشاد: اَنْ تُوْمِنَ، میں ایمان سے ایمان کا معنی لغوی

۵۹۔۔۔ ومثلکھجہ: اسکا غالب استعمال ان جواہر علویہ نورانیہ کیلئے ہوتا ہے جو جسمانی کدورات سے پاک و مبرا ہوں۔ یہ اللہ اور انبیاء کرام کے مابین وساطت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بعض نے یہ تعریف کی ہے کہ یہ لطیف اور نورانی اجسام ہیں۔ جو مختلف اشکال میں متشکل ہونے کی قدرت رکھتے ہیں۔ تسبیح ربانی ان کیلئے ایسی ہی ہے جیسے ہماری سانس ہمارے لئے۔ تو جس طرح ہمیں سانس لینے میں دشواری نہیں، یونہی انھیں تسبیح الہی میں کوئی مشقت نہیں۔

اب ایمان بالملائکہ کا معنی یہ ہوا کہ جس کے اسماء ہم کو معلوم ہیں۔۔۔ مثلاً۔۔۔ حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل، حضرت عزرائیل، انکے وجود کا تفصیلاً اعتقاد کریں اور جن کے اسماء معلوم نہیں تو ان کے وجود کا اجمالاً اعتقاد کریں اور اس بات کا اعتقاد کریں کہ یہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں جو ذاتِ دل انکی تسبیح میں مشغول ہیں۔ اللہ پر نہ تو کوئی افتراء کرتے ہیں اور نہ انکی نافرمانی کرتے ہیں۔ جو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں اور انھیں میں سے حضرات کرنا کا تین اور عرش کے مقرب حاملین ہیں۔ ان کیلئے ہا ز و ہی، کسی کے دو، کسی کے تین، اور کسی کے چار۔ وہ مذکور و مذمت ہونے سے پاک ہیں۔ اور ان کے سوا جو کچھ کتاب و سنت سے فرشتوں کے متعلق ظاہر و عا بت ہے۔ ان سب کا بصورتِ علم، تفصیلاً اور بصورتِ عدم علم، اجمالاً اعتقاد کرنا ایمان بالملائکہ ہے۔

اس تفصیل کے اجمال کی طرف جواہر پارے میں اشارہ گزر چکا ہے۔

۶۰۔۔۔ ومثلکھجہ: اللہ کے رسولوں پر جو کتابیں نازل کی گئی ہیں، ان میں سے جن کا علم یقینی طور پر حاصل ہے، انکے وجود کا تفصیلاً اور جن کا علم نہ ہوا کچھ اجمالاً اعتقاد، اور اس بات کا اعتقاد کہ تمام کتب اسماء اور سابقہ صحف ربانیہ کو قرآن کریم نے منسوخ کر دیا اور یہ کسی سے منسوخ نہ ہوگا اور نہ قیامت تک انکے لفظوں میں کوئی تحریف ہو سکے گی۔

یہ ہے ایمان بالکتب کا دوسرا گوشہ، پہلے کی وضاحت جواہر پارے میں ہو چکی ہے۔

۶۱۔۔۔ ومثلکھجہ: ایمان بالرسول کا معنی یہ ہے کہ اس بات کی تصدیق کی جائے کہ اپنے رسولوں پر اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا، انھوں نے محسن و خونی اس کو قوم تک پہنچایا۔۔۔ نیز۔۔۔ جن رسولوں کا وجود نفس قرآنی یا تو اس سے معلوم ہوا ان کا تفصیلاً اور جن کا نہ معلوم ہوا ان کا اجمالاً

ان کا ذکر تم سے نہیں کیا۔ لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہی غفی کے ذریعہ بھی ذکر نہ کیا گیا ہو۔

۶۳۔۔۔ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایمان بالرسول کا ذکر کافی تھا، اسلئے کہ کسی رسول پر ایمان لانے کیلئے یہ لازم ہے کہ اسکی پیش کردہ تمام ہدایتوں پر ایمان لایا جائے۔ پھر ایمان بالرسول سے پہلے ایمان باللہ ایمان بالمالک اور ایمان بالکتاب۔۔۔۔۔ نیز۔۔۔ ایمان بالرسول کے بعد ایمان بالیوم الآخر اور ایمان بالقدر کے ذکر کی ضرورت کیا تھی۔

ان سب پر ایمان تو ایمان بالرسول کے دائرہ ہی میں آ جاتا ہے۔ جواب کہا گیا ہے کہ اس مقام پر ان تمام کے ذکر سے مندرجہ ذیل ترتیب پر تعبیر ہے۔ اور وہ ترتیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملکہ کو کتاب کے ساتھ رسول کی خدمت میں بھیجا۔ مہد و معاد و تقدیر کی خبر و شر کے مضامین اللہ ہونے کی معرفت کیلئے کتب و رسل کا ذکر پر ملائکہ کا ذکر اس کے لئے مقدم کیا گیا ہے تاکہ ترتیب مذکور کی طرف اشارہ ہو جائے۔ اسلئے مقدم نہیں کیا ہے کہ ملائکہ رسول و کتاب پر افضل ہیں۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ حضرات ملائکہ کا سرکار مدینہ کے سوا دوسرے انبیاء و مرسلین پر افضل ہونا مختلف فیہ ہے۔

معز لہ ملائکہ کو نبی کریم کے سوا تمام انبیاء پر افضل مانتے ہیں۔ وہ گئی ملائکہ کی کتب آسمانیہ پر افضلیت تو اس کا کوئی قائل نہیں۔ عالم تکلیف و سائنس کی حکمت ترتیب مذکورہ بالا کی متفقہ ہے۔

ورد میرے رسول کا تو مقام بلند وہ ہے جس کی طرف اس حدیث سے اشارہ ہے:

لَیْسَ مَعَ اللَّهِ وَفَتْ لَا تَسْبَعُنِي فِيْهِ مَلَکٌ مَّقْرَبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ

میرے لئے بارگاہ الہی میں قرب کی ایک ایسی منزل بھی ہے

جس میں ملک مقرب کی نمائش ہے اور نبی مرسل کی تکفیر۔

۔۔۔ ترجمہ میں حدیث شریف کا حاصل مراد واضح کر دیا گیا ہے۔

۔۔۔ ملاحظہ قاری اس حدیث کو لکھ کر فرماتے ہیں:

فِيْهِ اِشَارَةٌ اِلَى تَسْكِيْنِهِ فِيْ وَفَتْ كَشَفِ الْوُجُوْهِ الْمَشَاهِدَةِ وَاسْتَعْرِ اَقْبَهُ فِيْ بَحْرِ الْوَحْدَةِ حَيْثُ لَا يَنْفِيْ فِيْهِ اَنْزَالُ الْبَشَرِيَّةِ وَالْكُوْنِيْنَ وَهَذَا مَحَلُّ اسْتِقْنَاتِهِ فِيْ مَشْهُدِ الْمُتَجَكِّبِيْنَ الَّذِيْنَ اَخْبَرَ اللَّهُ عَنْهُ بِقَوْلِهِ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى وَلَيْسَ مِنْكَ مَقَامٌ جَبَرُ اَيْلٍ وَجَمِيْعُ الْكُرُوْبِيْنَ وَلَا مَقَامُ السُّفٰى وَالْخَلِيْلِ وَمَنْ

فَوْنَهُمْ مِنَ الْإِنْسِيَةِ وَكَانَ أَكْثَرُ أَوْفَاتِهِ كَهَذَا لَكِنْ يَزِدُّهُ اللَّهُ إِلَى تَأْدِيبِ أُمَّتِهِ
فِي بَعْضِ الْأَوَاقِاتِ لِيَجْزِيَ عَلَيْهِمُ أَحْكَامَ التَّلَوِينِ وَلَا يَذُوبُ فِي أَنْوَارِ
الْكِبَرِيَاءِ الْأَزَلِّ - (مرقاۃ)

اس میں اشارہ ہے کہ آپ کی جنتیں و عطا کردہ قہری کی طرف مشابہہ الہی کے ظہور کے وقت میں
اور اس وقت میں جبکہ آپ ہجرت و وحدت میں ایسا مستغرق ہو جائے کہ بشریت و کونین کا کوئی اثر آپ
میں باقی نہ رہتا۔ شہداء یقین یہ آپ کا وہی عمل استقامت ہے جسکی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے مبارک
قول فَكَانَ قَاتٍ فَوْبِسِيٍّ أَوْ أَدْنَى سے دی ہے۔ یہاں نہ مقدم جبریل ہے، نہ فرشتوں کا گلدرد اور
نہ یہ عقلی و قلبی کی منزل ہے اور نہ کسی اور نبی کی، ہر درود عالم اکبر و بیشتر اس عالم قرب میں رہتے تھے
مگر بعض اوقات اللہ تعالیٰ اس کی تادیب و تعلیم کیلئے آپ کو اس عالم سے باہر بھی کر دیتا تھا تاکہ
آپ ان پر احکام تلویں کا اجرا کر سکیں۔ اور ازل کی کبریائی کے انوار میں گم کر دودہ ہو جائیں۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے مرقاۃ اور اس کا مطلب خیر ترجمہ۔ اور دیکھا آپ نے کہ کیا مقام
ہے رسول عربی کا۔ الفاظ و عبارت عاجز ہیں اس مقام اور اس وقت کے کو ان کی تصویر کشی کیلئے
جس مقام پر اور جس وقت سرکار کا عالم یہ ہوتا تھا کہ آپ میں بشریت کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں نظر آتا
تھا۔ جہاں ملک و نبی کا گدہ نہ ہو وہاں وہم و خیال کے پچھنے کا سوال ہی کیا ہے۔

۶۳۔۔۔ ایک یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی اور کو نبی ماننے کیلئے راضی نہیں۔
ایک عیسائی کی عیسائیت حضرت عیسیٰ کے سوا سارے انبیاء کے انکار کے بعد بھی مجروح نہیں ہوتی۔
مگر قربان جائیے رحیمہ للعالمین و سید المرسلین پر جنہوں نے انبیاء و سابقین کے ہر فرد پر ایمان و اور ان
کی تقدیق کو اسلام کا جز و لازمی قرار دے دیا ہے۔

لہذا یہ ناممکن ہے کہ کوئی کسی نبی کا منکر ہو کر مسلمان و مومن ہو سکے۔ یہ اسلام ہی ہے جسے
جملہ انبیاء و سابقین کی عظمت و رفعت کے پرچم کو بلند کرنے کا شرف حاصل ہے۔

۶۵۔۔۔ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ: آخری دن یعنی ایام دنیا کا آخری دن جو ایام آخرت کا پہلا
دن ہے۔ اس توضیح پر احوال برزخ بھی یوم آخر کے وسیع مفہوم میں داخل ہو جائینگے۔۔۔۔۔ الخضر
۔۔۔۔۔ یوم آخر کا آغاز اس دن سے ہوگا۔ جو اس محدود زمانے کا آخری دن ہے اور ایام آخرت کا پہلا
دن۔ اور اس کی انتہا مومنین کیلئے دخول جنت اور کفار کیلئے دخول نار پر ہوگی۔ احوال آخرت میں
کتن کن امور کا شمار ہے، جو اصرار سے کہے کہ تحت ان کا بیان گدہ رکچکا ہے۔

تیموم آخر، کیوں کہتے ہیں : اسکی ایک وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ یہ ایام دنیا کا آخری دن ہے۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ ایام آخرت کا آغاز اسی دن سے ہوتا ہے تو یہ آخرت کا ابتداء یہ ہو گیا۔ لہذا اس کو یوم آخر کہہ دیا گیا۔ اور ایک تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ حساب و جزا کو اس سے مؤخر کر دیا گیا، اسلئے اس کو یوم آخر کہتے ہیں، یعنی وہ دن، حساب و جزا جس سے مؤخر ہوو۔۔۔ یوم آخری ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ وہ دن جس کو اوقات محدودہ سے مؤخر ہونے کے سبب اسکا ابتدائیت و پہلی حاصل ہو جو کچھ منقطع نہ ہو سکے۔

۶۶۔۔۔۔۔ بخاری کی ایک روایت میں والیوم الآخر کے بجائے والبعث الآخر کا لفظ ہے۔ 'بعث' کے بعد ۲۰ کا لفظ صرف تاکید کیلئے ہے۔ اسلئے کہ 'بعث'، یعنی مرنے کے بعد اٹھنا تو آخری میں ہوگا۔۔۔۔۔ یا یہ تمام مقصود کہ بعث کی دو قسمیں ہیں۔ ایک بعث اول اور دوسرا بعث آخر۔

عہد سے جو حدیثی طرف یا حکمِ مادر سے دنیا میں آتا ہے، بعدِ اول ہے۔ اور وطنِ قبر سے محلِ شہر
بیشتر کی طرف اہمیت یا بعدِ ثانی ہے۔ اور یہی بعدِ ثانی ہے جس پر ایمانِ ضرورت یا دین سے ہے۔
بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں۔ مقلعہ اور تومن بالبعث‘ آتیا ہے۔ یعنی
قادر اور بعث کی تصدیق بھی ایمانِ ثانی سے ہے۔ لہٰذا سے کیا مراد ہے۔

--- اس سلسلہ میں مختلف اقوال ملتے ہیں:

(۱) دار جزاء کی طرف منتقل ہوتا۔

(۲) حساب۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی رویت۔

یہ تیسرا قول رائج و ارجح ہے اور لفظ لقا کے لغوی معنی کے زیادہ مناسب ہے۔ لقا کا یہ تیسری توضیح کی روشنی میں یہ یقین کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار حق ہے اور آخرت میں صالحین کو دیدار الہی ہوگا ایمانیات میں داخل ہے۔

بخاری کی اس دوسری روایت میں بعث سے کیا مراد ہے اس میں بھی دو قول ہیں:

(۱)۔۔۔ مُردوں کا اپنی قبروں سے اٹھنا اور اس کے بعد کے مرحلے۔۔۔ مثلاً۔۔۔

۶۹۔۔۔۔۔ قَالَ صَلَّكَتَ قَالَ فَأَخْبَرُونِي عَنِ الْإِحْسَانِ۔۔۔۔۔ کیا قول کے مطابق

یہاں احسان سے مراد وہی ہے جو ان آیات کریمہ میں احسان سے مراد ہے۔

لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْخُسْنَى ﴿سورۃ الزلزلہ: ۲۷﴾

ان کیلئے جنہوں نے بھلائی کی ہے، بھلائی ہے۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴿سورۃ الزلزلہ: ۲۸﴾

کیا ہے احسان کا بدلہ جزا احسان کے۔

أَحْسِنُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿سورۃ البقرہ: ۱۹۵﴾

احسان کرو! اللہ ایک خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اور غما ہر یہ ہے کہ ان آیات مذکورہ میں احسان سے وہ معنی مراد ہے جو اسلام و ایمان اور ان کے سوا۔۔۔۔۔ مثلاً۔۔۔۔۔ اعمال و اخلاق و احوال پر مشتمل ہو۔ اور حدیث میں وہ معنی مراد ہے جو انی عمومیعت نہیں رکھتا بلکہ اس سے خاص ہے۔ اس معنی خاص کی تعیین میں دو قول ملتے ہیں:

(۱)۔۔۔۔۔ احسان سے مراد ہے اخلاص، کیونکہ اسلام و ایمان کی صحت میں اخلاص شرط ہے، یعنی بغیر اخلاص کے کسی کا ایمان صحیح نہیں۔ تو جو اطاعت میں قلمبند ہے وہ اپنی طاعت کا فائدہ اپنے کو پہنچائے گا اور جو ریہا کار ہے وہ خود ہی اپنے عمل کو بے کار کر رہا ہے۔۔۔۔۔ اپنے عمل کو، محض، غرض، حرص، اور ریہا، سے پاک و صاف کر لینے کا نام اخلاص ہے۔

(۲)۔۔۔۔۔ احسان سے۔۔۔۔۔ احسان عمل۔۔۔۔۔ یعنی عمل کے احکام اور اس کا اتقان مراد ہے۔۔۔۔۔ اتقان کسی امر کو مضبوطی اور دھجی کے ساتھ کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ معنی اخلاص، حضور، شجاع سب کو شامل ہے۔

۷۰۔۔۔۔۔ فَقَالَ أَيُّ تَعْبُدَ اللَّهَ۔۔۔۔۔ یعنی تو اللہ کو ایک جانے اور اس کے اوامر و نواہی میں اسکی اطاعت کرے۔ ایک روایت میں ہے تَخْشَى اللَّهَ یعنی تو اللہ سے ڈرے۔ ان دونوں روایتوں کا حاصل ایک ہے۔ اسلئے کہ عبادت خشیت کا ثمرہ ہے اور خشیت عبادت کا سبب۔۔۔۔۔ کمال فروتنی کے ساتھ اطاعت عبادت ہے۔ عبادت وہ فعل اختیاری ہے جس سے شریعت کی اتباع اور اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب مقصود ہو۔۔۔۔۔ امام راغب نے تَلْجِبَ اذْقَفْعُضْلُ اُخْتِیَارِی، فرمایا کہ یہ واضح کر دیا کہ عبادت فعل اختیاری ہے۔ لہذا موجودہ دور کے بعض مطلق العنانی اہل قلم

’جنہوں نے غیر اختیاری افعال پر بھی عبادت کا اطلاق کیا ہے اپنی روش میں جھٹکے ہوئے ہیں۔ بعض محققین کا ارشاد ہے کہ مخلوقات کی تخلیق و ادب و احوال اور رسولوں کے ارسال کا مقصد عبادت ہی ہے۔ بندہ جس قدر از روئے معرفت کامل ہوگا اسی قدر عبادت گزار ہوگا۔ اور اسکی عبودیت اتنی قدر کامل اور رفیع المعنویت ہوگی۔

خدا کے حضور انتہائی فروتنی کے تین مرتبے ہیں:

☆ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ عابد عذاب کے خوف سے اور ثواب کی خواہش میں خدا کی پرستش کرے، اس کو عبادت کہیں گے۔ اور یہ علم البتین والے کی منزل ہے۔

☆ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ عابد کسی غرض کے بغیر اپنے اس والہانہ شوق سے جو اس میں عبادت اور کالیف شرعیہ کو قبول کرنے کیلئے موجود ہے، اللہ کو پوچھے۔ اب اس کو صرف عبادت ہی نہیں بلکہ عبودیت بھی کہیں گے اور یہ یمن البتین والے کی منزل ہے۔

☆ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ عابد محض اس خیال سے خدا کو پوچھے کہ وہ اللہ ہے اور میں عبد ہوں، اور انکی اہمیت ہی چاہتی ہے کہ اسکو پوچھا جائے اور میری عہدیت کا تقاضہ ہے کہ میں پوچھوں۔ اب اسکو عبادت و عبودیت ہی نہ کہیں گے بلکہ عبودہ بھی کہیں گے اور یہ یمن البتین والے کی منزل ہے۔

۱۔۔۔۔۔ اس مقام پر فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری کا یہ اقتباس بہت ہی فائدہ بخش ہے۔۔۔۔۔ عبادت کے معنی انتہائے تدلل اور غایت خضوع کے ہیں۔ یعنی انسان اپنے آپ کو کسی کے سامنے ذلت و پستی کے اس آخری درجے میں سمجھے کہ جس کے بعد عاجزی اور ذلت کا

کوئی درجہ ہی نہ ہو۔ اس قسم کی عاجزی کرنے والا عابد ہے۔ اور ایسی عاجزی عبادت ہے۔ عبادت کا تعلق نہ تو مافوق الاسباب امور سے ہے اور نہ غائبانہ نداء سے، بلکہ اس کا تعلق محض اعتقاد سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی عاجزی اور ایسی ذلت و پستی کا اظہار اس ہستی کیلئے کیا جاسکتا ہے جس کے متعلق صفات مستقلہ کا اعتقاد رکھا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی ہیں۔۔۔۔۔ (خود بخود)

اس میں موجود ہیں کسی نے اس کو کوئی صفت دی نہیں اور یہ صفات ذاتیہ استحقاق عبادت کا مناسط و مدار ہیں۔ ان صفات ذاتیہ کا کسی میں ثابت کرنا استحقاق عبادت والو بہت کا ثابت کرنا ہے۔ اور جو صفت استحقاق عبادت کا مناسط ہے، خواہ وہ علم ہو یا قدرت، تصرف ہو یا شافیہ، ان کا ذاتی اور

۷۲۔۔۔ اسی واقعہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ تَحْتَلُّكَ تَرَاهُ۔۔۔ احسان یہ ہے کہ تم ہر کام اللہ کیلئے اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اس روایت نے اس بات کی وضاحت کر دی کہ احسان کا تعلق صرف نماز ہی سے نہیں بلکہ جملہ اعمال خیر سے ہے، اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر عبادت و بندگی اور اس کے ہر حکم کی اطاعت و فرمانبرداری اس طرح کی جائے اور اس کے مواخذہ سے اس طرح ڈرا جائے کہ گویا وہ ہمارے سامنے ہے اور ہماری ہر حرکت و سکون کو دیکھ رہا ہے یہی احسان ہے۔

۷۳۔۔۔ تَحَلُّكَ تَرَاهُ یعنی:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ عِبَادَةً تَبْيَهَةً بِعِبَادَتِكَ حَيْثُ تَرَاهُ۔

تو عبادت کرے اللہ کی ایسی عبادت جو تیری

خدا کے دیکھنے کے وقت کی عبادت کے مشابہ ہو۔

۔۔۔ اور اگر پوری عبادت کی اصلی صورت یہ ہے کہ:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ حَالًا كَوْنُكَ مُشْتَبِهًا بِمَنْ يَنْظُرُ اِلَى اللّٰهِ خَوْفًا مِنْهُ
وَحُبًّا وَخُضُوعًا وَخَشْيَةً وَادْبَاً وَصِفَاءً وَوَفَاءً

۔۔۔ تو ترجمہ یہ ہوگا۔۔۔

’تو عبادت کرے اللہ کی اس حال میں کہ تو مشابہ ہو۔

خوف الہی، حیاء، خضوع، ششوع، صفاء و وفا میں اس شخص کے جو اللہ کو دیکھ رہا ہو

۔۔۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب عامل اس کو دیکھ رہا ہو جس کیلئے عمل کر رہا ہو تو یقیناً وہ اپنے عمل کو حسین سے حسین تر بنانے کی پوری امکانی کوشش کرے گا۔۔۔ اور اگر ایسی صورت نہ ہو کہ عامل اس کو دیکھے جس کیلئے وہ عمل کر رہا ہے۔۔۔ مگر یہ خیال اس کو رہے کہ ہم تو اس کو نہیں دیکھ رہے ہیں مگر وہ ہم کو دیکھ رہا ہے، جب بھی وہ عمل کو حسین بنانے کی پوری جدوجہد کرے گا۔ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے:

(فَاَنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ) اُی تعاملہ معاملہ من ترہ

(فَاِنَّكَ تَرَاهُ) اُی فاعمل معاملہ من براك

۔۔۔ یعنی اگر تم اپنے عمل میں وہ صورت حال نہیں پیدا کر سکتے جو انکی صورت حال اور اسکے معاملہ کی طرح ہو تو سکو تو دیکھتا ہو تو ویسا معاملہ کر جو اسکے معاملے کی طرح ہو جو تجھے دیکھتا ہو۔ یہ تصور کہ ہم جس کیلئے عمل کر رہے ہیں اس کو ہم نہ دیکھ رہے ہیں، عمل میں اخلاص و تحسین اسی لئے پیدا کرتا ہے کہ

ہم سمجھ لیتے ہیں کہ جب ہم اسکے روبرو ہیں تو وہ ہم کو دکھ رہا ہے۔۔۔ بالفرض۔۔۔ اگر ہم کو یہ یقین ہو جائے کہ ہم تو اسکے سامنے ہیں مگر وہ کسی وجہ سے ہم کو نہیں دکھ رہا ہے تو ہمارے عمل میں وہ اخلاص نہیں ہو سکتا جو احساسِ رویت کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور جب خیالِ رویت ہی اخلاص فی العمل کا موجب ہے تو پھر حضور و عدم حضور میں سے کسی کو بھی احسان فی العمل میں کوئی دخل نہیں رہا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تصورِ رویت کے ساتھ ساتھ خیالِ حضور و مشاہدہ کی صورت میں عابد چند ایسی خصوصیات کے ساتھ ضرور مخصوص ہو جاتا ہے جو عدمِ مشاہدہ اور عدم حضور کی صورت میں حاصل نہیں ہوتیں۔۔۔ مگر یہ خصوصیتیں نفسِ حقیقت احسان پر زائد ہیں۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ ان کا حصول احسان کا مہیون منت ہے۔۔۔۔۔ گویا۔۔۔ احسان و اخلاص عابد کے اس مقام بلند کے بچے کی ایسی منزل ہے جس پر سے گزرے بغیر اس مقام تک نہیں پہنچا جاسکتا۔۔۔ حضرت شیخ متقی نے احسان کی دو صورتیں حدیثِ پاک سے نکالی ہیں۔ بلغظ دیگر احسان کے دو درجوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔۔۔ میرا فہم ناقص عرض کرتا ہے کہ اگر تَخَلَّكَ تَزَاهُ اور فَتَاهُ تَزَاكَ سے عبادت کے دو درجوں کی طرف اشارہ سمجھا جائے تو زیادہ مناسب ہے، اسلئے کہ مفہوم عبادت میں اس قدر وسعت اور پھیلاؤ ہے جو احسان والے عمل پر بھی صادق آتا ہے اور اس عمل پر بھی جو اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

بعض عرفاء فرماتے ہیں کہ حدیث کے اس زیر بحث کلمے میں عبادت کے دو درجوں کی طرف اشارہ کیا ہے: ایک وہ عبادت جو تجلیاتِ الہیہ اور انوارِ ارحمہ یہ کے مشاہدہ کے ساتھ ہو اور یہ ہے تَخَلَّكَ تَزَاهُ والی عبادت۔ اور دوسری وہ عبادت جس میں نفسِ احسان کی تو پوری جلوہ گری ہو مگر نہ کوہِ بالا برکاتِ الہیہ کا مشاہدہ نہ ہو اور یہ ہے فَتَاهُ تَزَاكَ والی عبادت۔ پہلی عبادت عرفاء کا ملین کی ہے اور دوسری عبادت دوسرے درجے کے عارفوں کی۔

۳۔۔۔۔۔ فَانْ لَمْ تَحْضُرْ تَزَاهُ فَتَاهُ تَزَاكَ: اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ فَاَنْ لَمْ تَحْضُرْ تَزَاهُ فَاعْبُدْ فَاَنْ لَمْ تَحْضُرْ تَزَاهُ تَزَاكَ: تو اگر چہ تم اس کو دیکھتے نہیں پھر بھی تم اپنے عمل میں اخلاص و احسان پیدا کرو کیونکہ وہ تمہیں دیکھتا ہے۔

ایک روایت میں ہے فَاَنْ لَمْ تَزَاهُ یعنی اگر تم اس مشاہدہ سے غافل ہو جو غایت کمال

مسطور ہے۔ اب اگر بعض روایتوں میں یہ لفظ مذکور و مسطور نہ ملے تو اسکی تین وجہیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔۔۔ راوی روایت کرنا فراموش کر گیا ہو۔

۲۔۔۔ راوی نے اختصار کے پیش نظر اس کو نہ ذکر کیا ہو۔

۳۔۔۔ راوی نے اسلئے اسکی روایت ضروری نہ سمجھی ہو کہ اس سے پہلے اسکا ذکر کئی بار آئی چکا ہے۔ اس پر قیاس کر کے لوگ خود ہی سمجھ لیٹے کہ یہاں بھی لفظ صدقت استعمال کیا گیا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ حقیقت حال یہ ہے کہ خود حضرت جبرئیل ہی نے اس مقام پر اس لفظ کو نہیں و ہرایا۔ اسلئے کہ احسان نام ہے اخلاص کا۔ اور اخلاص ایک سرالہی ہے جس کی خبر نہ ملک مقرب کو دی گئی اور نہ نبی مرسل کو۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے:

الْاَخْلَاصُ مِنْ مَّوَدِّ اَنْبِيَائِ اَوْ اَوْفَرِ غَفَةِ عَلٰی قَلْبٍ مِنْ اَحَبِّيَّتٍ مِنْ عِبَادِي

اخلاص میرے سرار میں سے ایک سر ہے جسکی حقیقت کا

انکشاف میں نے اسی کے قلب پر کیا ہے جسے میں نے محبوب بنالیا ہے

۔۔۔۔۔ بہاں بہد۔۔۔۔۔ صدقت کے مذکور نہ ہونے کی پہلے جو وجہ ہے وہی اوٹی ہے اور

زیادہ قرین قیاس ہے۔

۷۔۔۔۔۔ قَالَ فَالْخُبْرُ نُبُوٌّ عَنِ الشَّاعَةِ: یعنی قیامت کے قیام کے وقت کی خبر دیجئے

۔۔۔۔۔ الغرض۔۔۔۔۔ سوال کا یہ مشاہد نہیں کہ قیامت کے وجود کی خبر دیجئے۔ اسلئے کہ قیامت کا وجود

ثابت شدہ یقینی امر ہے۔

ایک روایت میں تو صاف صاف مَنَّی الشَّاعَةُ کا لفظ آیا ہے جسکا معنی یہی ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ ویسے بھی الیوم الآخر کا پہلے ذکر ہو چکا ہے جس سے قیامت کے وجود کا علم تو ہو ہی چکا تھا لہذا اب قیامت کے قیام کے وقت ہی سے سوال متعلق ہو سکتا ہے۔ از روئے عرف رات و دن کے **کدھ** کے چوبیسویں حصے کا نام ساعت ہے۔ جس کو ہم گھنٹہ کہتے ہیں۔ ساعت کا اطلاق جس طرح قیامت پر ہوتا ہے اسی طرح ایک عہد کے افراد کی موت پر بھی ہوتا ہے۔ اور یوں ہی ایک فرد کی موت پر بھی ہوتا ہے۔ ہاں قیامت کو ساعت کہہ کر ہی کہیں گے۔ ایک پورے عہد کے افراد کی موت کو ساعت و سگی کہیں گے اور ایک فرد کی موت کو ساعت صغریٰ کہیں گے۔

۸۔۔۔۔۔ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ: یعنی اسے جبرئیل اس مسئلے میں میرا

اور تہا را علم برابر ہے۔ کہ مجھ کو بھی خبر ہے اور تم کو بھی ماس مجمع میں یہ پوچھ کر راز ظاہر کرانا مناسب نہیں۔ معلوم ہوا کہ اس میں حضور ﷺ نے اپنے جاننے کی نفی نہیں کی بلکہ اعلیت یعنی زیادتی علم کی نفی کی ہے۔ اگر آپؐ علم کی نفی مقصود ہوتی تو اتنی دراز عبارت کی ضرورت نہ محسوس ہوتی۔ صرف لاعلم (میں نہیں جانتا) کہہ دینا کافی تھا۔ یہ جواب سن کر حضرت جبریل نے عرض کیا تو قیامت کی نشانیاں بتی بتا دیجئے۔ اس پر حضور ﷺ نے چند نشانیاں بیان فرمائیں۔

غور فرمائیے جن کو قیامت کا بالکل علم ہی نہ ہو ان سے اسکی نشانیاں پوچھنا کیا معنی؟
نشان اور پتہ تو جاننے والے سے پوچھا جاتا ہے۔
حضور ﷺ نے قیامت قائم ہونے کا دن بتایا۔

مشکوٰۃ، باب الجمعہ میں ہے:

لَتَقُومَ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ

قیامت جمعہ کے دن ہی قائم ہوگی۔

--- کہہ اور بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا: بُعِثْتُ أَنْتَاوَالسَّاعَةُ كَمَا تُبْعِثُونَ۔

ہم اور قیامت اس طرح ملے ملے بھیجے گئے ہیں

(اب خطبہ یوم الجمعہ)

--- یعنی ہمارے زمانے کے بعد اُس قیامت ہی ہے اور اس قدر علامات قیامت ارشاد فرمائیں کہ ایک بات بھی نہ چھوڑی۔ ان علامات نے قیامت کو بالکل ظاہر فرمادیا۔ پھر قیامت کا علم نہ ہونے کے کیا معنی؟

میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سنہ نہ بتایا کہ فلاں سنہ میں قیامت ہوگی۔ اس میں حکمت تھی کہ قیامت کو اچانک آتا ہے جیسا کہ خود قرآن مجید میں ارشاد فرمائی ہے۔ اور سنہ بتا دینے کی صورت میں قیامت کا آنا اچانک نہ ہوتا اور --- بالضرر --- اگر قیامت کو اچانک آتا نہ ہوتا، جب بھی سرکارِ دو عالم سن کی نشاندہی کیسے فرماتے۔ اسلئے کہ سرکار کے عہد میں سنہ کا تقرری نہ ہوا تھا۔ سنہ ہجری کا عہد فاروقی میں تقریر ہوا۔ ہجرت تو ربیع الاول میں ہوئی، مگر سنہ ہجری کا آغاز حرم سے ہوتا ہے، بلکہ اس زمانے میں قاعدہ یہ تھا کہ سال میں جو بھی کوئی واقعہ اہم ہوتا اسی سے سال کو منسوب کر دیا جاتا۔۔۔ مثلاً۔۔۔ سال لیل، سال فتح، سال حدیبیہ وغیرہ۔ تو سنہ ہجری کے

علم و آگہی کی روشنی میں یہ دعویٰ ہے کہ:

لَمْ يَخْرُجْ نَبِيٌّ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى أَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلَى جَمِيعِ
الْمُؤَيَّنَاتِ وَعَلَى تِلْكَ الْخُمْسِ وَمِنْ مَحَلَّتِهَا السَّاعَةُ
یعنی ہمارے ہی اس وقت تک دنیا سے خریف نہیں لے گئے۔

یہاں تک کہ آپ کا اللہ نے تمام نعمیوں اور امور و خیرہ جن میں
سے ایک قیامت بھی ہے ان سب پر مطلع فرمادیا۔

۔۔۔۔۔ حدیث کے خود اپنے ترجمہ کی روشنی میں مفسرین یہی تو کہہ سکتے ہیں کہ اس سوال و جواب
کے وقت رسول کو قیامت کا علم نہ تھا مگر اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ توحیات نبی کریم اس علم
سے خالی رہے اور اللہ نے آخر وقت تک ان کو یہ علم عطا نہیں فرمایا۔

۹۔۔۔۔۔ قَالَ فَآخِرُ بَرْنِي عَنْ أَمَارِئِهَا

یعنی بعض ان علامتوں کا ذکر فرمایا ہے جو قرب قیامت کی نشاندہی کریں۔

ایک روایت میں ہے۔۔۔۔۔ عَنْ أَسْمَاءَ طَيْهَةَ۔۔۔۔۔ اس کا بھی معنی یہی ہے۔

ایک روایت میں ہے۔۔۔۔۔ وَلَكِنْ إِنْ بَشِئْتَ تَبَأْتُكَ عَنْ أَسْمَاءَ طَيْهَةَ قَالَ أَجَلٌ۔۔۔۔۔

لیکن اگر تم چاہو تو میں اسکی نشانیاں بیان کر دوں، حضرت جبرئیل نے عرض کیا ہاں (یعنی بیان فرمائیے)

ایک روایت میں لفظ جل کی جگہ۔۔۔۔۔ فَحَدَّثَنِي،۔۔۔۔۔ ہے یعنی آپ قیامت کی

نشانیاں مجھ سے بیان فرمائیے۔

روایتوں کا یہ لفظی، اختلاف راویوں کے نسیان پر یا ان کے اسلوب بیان کے اختلاف

پر مبنی ہے۔

۸۰۔۔۔۔۔ أَنْ تَبْلُغَ الْأُمَّةُ رَحْمَتَهَا: یعنی قرب قیامت کے ہملہ علامات سے یا لفظ دیگر

اسکی نشانوں میں سے ایک کو تیر کا اپنے مالک مولیٰ کو چننا ہے۔ ایک روایت میں رہنہ انکی جگہ رہا

کا لفظ ہے۔ ان دونوں کا حاصل مراد ایک ہی ہے۔ لفظ رب کا اطلاق اضافت کے بعد غیر خدا پر

بھی کیا جاسکتا ہے، پھر بھی رہا کے بجائے رہنہ کہتا راوی کے کمال، احتیاط کی نشاندہی کرتا ہے،

جس نے اضافت کے ساتھ بھی غیر خدا پر لفظ رب کا اطلاق کچھ مناسب نہیں سمجھا۔ کیونکہ اس سے

بہر صورت کسی نہ کسی حد تک الفاظ جاہلیت سے مشابہت ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔ نیز۔۔۔۔۔ لفظ رب

تو قہر کچھ پوچھ نہ سکا۔

شرح مسلم شریف میں ہے کہ مذکورہ بالا روایات اور ان کے متعلق یہ تاویل و معنی آفرینی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے بالکل خلاف ہے۔ جس میں یہ صاف مذکور ہے کہ سرکار نے اسی مجلس میں سب کچھ ارشاد فرمادیا۔ اور بتایا کہ یہ آنے والے کون تھے۔ تمام روایتوں کے درمیان توفیق کی ایک صورت قطعی ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت جبرئیل کی واپسی کے بعد تمام مجلس تو بر خاست نہ ہوئی ہو، لیکن حضرت عمر کی ضرورت سے اس مجلس سے چلے گئے ہوں، تو حضور نے اس مجلس میں اذان صحابہ کو خبر دی پھر تین دن کے بعد حضرت عمر کو شرفِ ملاقات عطا فرما کر ان کو بھی باخبر کر دیا۔

سب سے زیادہ مناسب بات تو یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو صراحتاً بتائے کہ سرکار نے اسی مجلس میں حضرت جبرئیل کی خبر دی تھی۔ تو ہو سکتا ہے کہ حضور نے بھی صحابہ کو حضرت عمر کی روایت کے الفاظ کے مطابق تین دن کے بعد خبر دی ہو۔

۸۳۔۔۔ ثُمَّ قَالَ لِي يَا عُمَرُ أَتَذْكُرِي یہاں درایت سے مراد ’علم‘ ہے۔ اسلئے کہ درایت انکل اور قیاس سے جاننے کو کہتے ہیں اور ’علم‘ یقینی طور پر جاننے کا نام ہے۔

۸۵۔۔۔ مِنَ السَّائِلِ فَذَكَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ اَعْلَمَ جب حضور نے حضرت عمر سے پوچھا، اے عمر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ سوال کرنے والے کون تھے؟ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے والا ہے۔ لفظ ’علم‘ کو (جو اسم تفضیل کا صیغہ ہے) ذکر کر کے اشارہ کر دیا کہ کچھ علم ان کو بھی ہے مگر زیادہ علم خدا اور رسول کو ہے۔ اسلئے کہ کسی نہ کسی قدر شرکت کے بغیر ذاتی متصور نہیں۔ تعجب اور سابقہ علامتوں نے جملہ صحابہ کو اس تردد میں ڈال دیا تھا کہ آنے والا بشر ہے یا ملک؟ تو صحابہ کو فیصلہ کن منزل تک نہیں پہنچے تھے، لیکن آنے والے سے متعلق بالکل خالی الذہن بھی نہ تھے، بس اسی قدر شرکت اتم تفضیل کے استعمال کیلئے کافی ہے۔

۔۔۔ علاوہ ان کے۔۔۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اسم تفضیل کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے اور اس سے صرف اصل فعل مراد لیا جاتا ہے اور کسی شرکت کا تصور بھی نہیں ہوتا۔

۸۶۔۔۔ قَالَ فَيَا نَاهُ، جِبْرِيلُ: یعنی جب تم نے ’علم‘ کو اللہ اور رسول کی طرف تفویض کر دیا تو سنو! وہ جبرئیل تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ سرکار نے فرمایا رُفُوہُ فَاسْخَذَ وَالْبِرُّ رُفُوہُ فَمَا رُفُوہُ شَيْئًا جَانِے والے کو لوٹا لاؤ۔ تو لوگ لوٹانے چلے تو کسی کو نہیں دیکھا۔ بعض علماء کا ارشاد ہے کہ حضرت جبرئیل کا اصل نام عبد الجلیل ہے۔ اور کنیت ابوالفتح ہے۔ اور نام حضرت میکائیل کا عبد المزیق ہے اور کنیت ابوالغنایم ہے اور حضرت اسرافیل کا نام عبد اللہ الق ہے اور کنیت ابولنافع ہے۔ اور حضرت عزرائیل کا نام عبد الجبار ہے اور کنیت ابوجہی ہے۔ (فیض الہادی بحوالہ معنی شرح بخاری)

لفظ جبرئیل نو لفظوں کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے جن میں سے بعض یہ ہیں، جبرائیل، جبرائیل، جبریل، جبریل، جبرئیل وغیرہ وغیرہ۔

۸۔۔۔ حضرت جبرئیل ایک ایسے فرشتہ ہیں جو اللہ اور رسولوں کے درمیان ایک واسطہ ہیں اور رسول کے مابین اس تو سبط میں یہ راز ہے کہ مکالمہ مخاطبین کے درمیان ایک مناسبت چاہتا ہے۔ اسلئے حکمت الہی کا اقتضاء یہ ہوا کہ حضرت جبرئیل کو متوسط قرار دیا جائے اسلئے کہ ان کو دو جہتیں عطا فرمائی گئیں ہیں:

ایک جہت، عالم قدرت سے متعلق کئے ہوئے ہے۔

اور دوسری جہت عالم حکمت سے۔

۔۔۔ تو عالم قدرت والے رخ سے وہ روحانی طور پر اللہ ﷻ کی لوح محفوظ سے وحی لیتے ہیں پھر عالم حکمت والے رخ سے نبی کی بارگاہ میں حاضر ہو کر باری تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔

لہذا بھی تو ایسا ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل بصورت بشر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو جاتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نبی کریم مرتبہ ملکیت کی طرف ارتقا فرماتے ہیں اور لباس بشریت سے معرٹھی مٹھی ہو جاتے ہیں تو اس ملکوتی جمال کو عالم قدرت و روحانیت سے کافی مناسبت ہو جاتی ہے تو آپ کے قلب پر وحی وارد ہوتی ہے اس لباس ملکوتیت میں اور آپ اسکو اپنی روحانیت سے اخذ فرماتے ہیں۔

وحی کی صرف دو صورتوں کی طرف فائدہ نمبر ۱۱ کے تحت اشارے گذر چکے ہیں۔ ان دو صورتوں کے سوا وحی کی پانچ صورتیں اور بھی ہیں جن کو امام سمیعی نے بیان فرمایا ہے۔ یہ ساری صورتیں حدیث سے مستخرج ہیں:

۱۔۔۔ روئے صادقہ، سچے خواب دیکھنا۔

۲۔۔۔ القاء فی القلب، دل میں پھونکنا، یا دل میں ڈالنا۔

۳۔۔۔ فرشتے کا کسی آدمی کی صورت کے بجائے اپنی صورت میں آنا۔

۴۔۔۔ وہ طریقہ معرکہ لہر جو حضور کو شب معراج میں عیش آیا اور اس شب اللہ نے آپ

پر وحی فرمائی اور ملاو اسطہ مکالمہ فرمایا۔

ترمذی کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

أَتَانِي رُبِّي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ فَقَالَ قِيمِ يَحْتَصِمُ الْمَلَكُ الْأَعْلَى

(بخاری)

میرے رب نے بہترین صورت میں مجھے فرمائی اور کہا

ملاو اعلیٰ کے فرشتے کس بات میں جھکوا کرتے ہیں۔

مسلم شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور اکرم پندرہ سال کے میں مقیم رہے اور آپ کو سات برس خواہر غیب سے آوازیں آتی رہیں اور آپ روشنی دیکھتے رہے لیکن کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی اور آٹھ سال آپ پر وحی نازل ہوئی۔

۵۔۔۔ وحی اسراہیل مسند احمد میں صحیح حدیث ہے، حضرت شعی کہتے ہیں کہ جب حضور ﷺ کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو اس وقت سے وحی نازل ہونا شروع ہوئی۔ ابتداء میں تین سال تک حضرت اسرافیل قرآن کے علاوہ وحی لاتے رہے۔ (غرض الہامی)

خود قرآن کریم میں وحی کے تین اصولی طریقوں کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ ارشاد

ربانی ہے:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكْلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا ﴿۱۰۱﴾ سورۃ النبی: ۱۰۱

کسی نبی میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ سے بات کرے

أَوْ مِنْ وَرَآئِهِ جَهَنَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ﴿۱۰۲﴾ سورۃ النبی: ۱۰۲

لیکن وہی کسے نہ کہ از پیروں کے یا پڑے کی آڑ سے یا وہ کسی فرشتہ

کو بھیجے جو اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے، بشر کو پہنچا دے۔

ترجمہ میں وحی کی تینوں اصولی صورتوں پر میں نے نمبر لگا کر ایک کو دوسرے سے ممتاز کر دیا ہے۔ یہی وہ تین صورتیں ہیں جن میں سے کسی ایک صورت کے ذریعہ خدا کا پیغام بشر تک

پہنچے گا۔ دیکھا آپ نے یہ ہے قانون قدرت بشر کیلئے۔

لیکن ایک وحی کا طریقہ اور ہے اور جس کا ذکر مذکورہ بالا ان آیات میں گونہیں ہے، مگر اس کے ثبوت میں شبہ بھی نہیں ہے۔ وحی کی یہ صورت جس کی تشریح کرنے میں جا رہا ہوں وہ نہ تو بذریعہ ملک ہے اور نہ ازپس پردہ، اور نہ ہی بذریعہ القاد ملک۔ یہ اس مقام کی وحی ہے جہاں ملک کا گزر نہیں۔ پھر ملک یا القاد ملک کا سوال ہی کیا۔۔۔۔۔ نیز۔۔۔۔۔ یہ اس مقام قرب کی وحی ہے جہاں وحی فرمانے والے نے بے حجاب ہو کر اپنے محبوب کو شرف ہم کلامی سے مشرف فرمایا یہ وحی ’منزل‘ اذنی فقللی فکنا قات فوسینی لو اذنی‘ کی وحی ہے۔

ارشاد ربانی میں سچ فرمایا گیا کہ بشر کیلئے وحی کے صرف تین طریقے ہیں۔ رہ گیا یہ چوتھا طریقہ، یہ تو خیر البشر کے ساتھ مخصوص تھا۔

۸۸۔۔۔۔۔ اَلَا کُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنُکُمْ یہ تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے یعنی تمہاری تعلیم کے ارادے سے آئے تھے۔ اسلئے کہ درحقیقت معلم نبی کریم تھے، حضرت جبرئیل آنے کے وقت معلم نہ تھے صرف سب تعلیم تھے۔ تو اس کلام میں حضرت جبرئیل کی طرف تعلیم کی اسناد دجازی ہے۔ اس سوال و جواب کا غشاء یہ تھا کہ صحابہ کرام کی ان کے اپنے علم پر تاکید و تثبیت ہو جائے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سوال و جواب کی راہ سے باتیں دلوں میں خوب جم جاتی ہیں۔ کیونکہ جو چیز طلب کے بعد حاصل ہو وہ زیادہ عزیز ہوتی ہے اس سے جو بے محنت و مشقت مل جائے۔

حضرت شیخ محقق کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے اس جملہ زیر بحث میں تعلیم کی اسناد حضرت جبرئیل کی طرف گنجینی نہیں مگر اسناد حقیقی کے حکم میں ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ اگرچہ درحقیقت معلم حضور نبی کریم تھے، حضرت جبرئیل صرف سب تعلیم تھے، مگر چونکہ درمیان کلام میں وہ صدقت صدقت فرماتے تھے تو اس طرح کسی نہ کسی معنی میں تعلیم دینے میں انکی بھی شرکت ہوگئی۔

۸۹۔۔۔۔۔ سیدنا جبریل بظاہر مؤید و مصدق اور سبب تعلیم تھے اور بہ باطن معلم و مبلغ علم۔

۸۹۔۔۔۔۔ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل نے صحابہ تک اپنی باتوں کو

پہنچانے کیلئے نبی کا واسطہ کیوں اختیار فرمایا، جبکہ ان کیلئے یہ آسان تھا کہ وہ براہ راست صحابہ کو مخاطب بنا کر جو کچھ کہنا تھا کہتے۔

مگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار فرمایا آخر ایسا کیوں؟

اسکا جواب یہ ہے کہ امت محمدیہ کیلئے وہی بات قابل قبول اور واجب العمل ہے جس کے قبول کرنے یا جس پر عمل کرنے کا حکم ان کو ان کے نبی کے ذریعہ ملا ہو، جن کے نبی کی ذات کو بنا کر نہ تو کسی کی بات ان کیلئے قابل قبول ہے اور نہ کسی کا حکم واجب العمل۔ اور نہ ہی کسی اور کا ارشاد ان پر حجت۔ علاوہ ازیں حضرت جبرئیل خدا و رسول کے مابین کا واسطہ ہیں۔ خدا اور اس کے عام بندوں کے درمیان کا واسطہ نہیں۔

۹۰۔۔۔ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنُکُمْ۔ اس فقرہ میں ’دینکم‘ ’تمہارا دین‘ سے مراد صحابہ کا دین ہے، یعنی اس ارشاد میں دین کی نسبت صحابہ کی طرف کی گئی ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے۔۔۔ بحالہ یُعَلِّمُکُمُ الدِّیْنَ دِیْنُکُمْ۔۔۔ لوگوں کو ان کا دین سکھانے آنے تھے۔ اس میں دین کی نسبت لوگوں کی طرف کی گئی ہے۔ اور ظاہر ہے اس وقت لوگوں سے مراد صحابہ کرام ہی تھے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس وقت اگرچہ مخاطب مخصوص تھے، مگر خطاب عام تھا، جو قیامت تک کے مؤمنین کیلئے ہے۔ قرآن کریم میں ولی دین فرما کر دین کی نسبت رسول کریم کی طرف کی گئی ہے۔

ارشادِ باری ہے اَللّٰهُ یُعَلِّمُکُمُ الدِّیْنَ اَللّٰهُ یُعَلِّمُکُمْ، کیا یہ کافر خدا کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں؟ میں دین کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے۔ قبر میں سوال کیا جائے گا۔ مَا دِیْنُکَ تمہارا دین کیا ہے، اس میں دین کی نسبت ایک فرد خاص کی طرف کی گئی ہے۔

مفردات امام راغب میں دین اور ملت کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ دین اور ملت میں فرق یہ ہے کہ ملت کی اضافت صرف اسی نبی کی طرف ہوتی ہے جبکہ وہ دین ہوتا ہے۔

چنانچہ فرمایا فَاسْتَبْعُوا اُمَّلَہٗ اِبْرَہِیْمَؑ پس دین ابراہیم کی پیروی کرو۔ وَاسْتَبْعُوا مِلَّةَ اَبَہِیْ جاور اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلنا ہوں اور اللہ تعالیٰ یا کسی افرامدات کی طرف انکی اضافت جائز نہیں۔ بلکہ اس قوم کی طرف بحیثیت مجموعی مضاف ہوتا ہے۔ جو اس کے تابع ہوتی ہے اور

افراد امت کی طرف اسکی اضافت نہیں ہوتی اسلئے ملۃ اللہ ---- یا---- ملکتی اور ملۃ زبد کہنا جائز نہیں۔ چہاں کہ دین اللہ دین زدہ کا استعمال جائز ہے۔ اسی طرح کسی فریضہ کی نسبت بھی ملۃ کی طرف نہیں کی جاتی۔

لہذا الصَّلٰوۃُ مِلَّةُ اللّٰہِ کہنا جائز نہیں، اسکے برعکس الصَّلٰوۃُ دِیْنُ اللّٰہِ کہنا صحیح ہے۔ مذکورہ بالا ان تحقیقات نے ظاہر کر دیا کہ اب اگر میں اسلام کو خدا کا دین کہوں، یا رسول کا دین کہوں، یا صحابہ کرام کا دین کہوں، یا ساری امت محمدیہ کا دین کہوں، یا بنیادین کہوں، یہ تمام اطلاقات درست و صحیح ہیں۔ یہ اطلاقات نہ تو شرعاً ممنوع و ناجائز ہیں اور نہ زبان و بیان کے لحاظ سے نادرست۔ بلکہ ان اطلاقات کی نظیریں نصوص میں بہت ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر شروع میں کیا جا چکا ہے۔ اس تحقیق کو سامنے رکھ کر آئیے، اہل عباد کی اس روش کو بھی ملاحظہ فرماتے چلیے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ وارضوان کی آخری وصیتوں میں سے ایک وصیت یہ بھی تھی کہ حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو۔ اور میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے، اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ وصیت کے ان لفظوں کو سن کر اہل عباد خوشی سے بغلیں بجانے لگے۔ انکے خیال میں اب ان کو ایک ایسا ہتھیار مل گیا تھا جس سے امام احمد رضا کے تمام تہنیتی، اصلاحی اور تہجدی کارناموں کو ملیامیت کیا جا سکتا تھا۔

--- الغرض --- وہ شور مچانے لگے کہ مولانا احمد رضا تو خود اپنے قول سے کسی نئے دین کے بانی تھے جہی تو انہوں نے یہ وصیت نہیں کی کہ اسلام پر مضبوطی سے قائم رہنا۔ بلکہ فقط مختصر یہ کہا کہ میرے دین پر مضبوطی سے قائم رہنا اس طرز استدلال سے عارض علم و دانش پر غارتہ تحقیق تو نہیں لگا ہاں چرہ عناد سے شتاب کشائی ہو گئی۔ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ قبر کے اندر ہر فرد کو یہ حق ہے کہ تمنا دینے، تمنا را دین کیا ہے، کے جواب میں "یُؤْمِنُ بِالْإِسْلَامِ" میرا دین اسلام ہے، کہہ کر اسلام کو بنیادین بتائے۔ اور حضرت جبریل کو یہ حق ہے کہ اسلام کو صحابہ کا دین فرمائیں۔

مگر امام احمد رضا کو یہ حق نہیں کہ وہ اسلام کی تعمیر اپنے دین سے کریں اور اطلاق کی اجازت دے تو یہ ہے کہ زبان و بیان کے ضابطوں نے اور شریعت کے قانون نے اس اطلاق کی اجازت دے دی ہے۔ مگر اہل عباد اجازت دینے کو تیار نہیں۔

امام احمد رضا خاں کے دور کی پر آشوبی جن کے علم میں ہے ان کو امام موصوف کی اس بہت میں حکیمانہ آب و رنگ نظر آ رہا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ امام موصوف کے دور میں بھی ایسی جماعتوں کی کمی نہ تھی جو اسلام کے نام پر اسلام کی بیخ کنی کر رہی تھیں اور جس نے اپنے خرافات اور روایات خیالات کو اسلام کا نام دے رکھا تھا۔ کیا ایسی صورت میں امام احمد رضا کا یہ فریضہ تھا کہ وہ رخصت ہوتے ہوتے اس حقیقت کو کھلے فظوں میں سمجھا جائیں کہ رسول کا لایا ہوا اسلام وہی ہے جس پر میں ہمیشہ قائم رہا اور جس کی مکمل توضیح و تشریح میری تعینفات میں ملتی ہیں۔

۔۔۔ بخیر۔۔۔ اسلام ہی میرا دین ہے اور میرا دین ہی اسلام ہے۔

۹۔۔۔ ایک روایت میں ہے: اَزَادَ اَنْ تَعْلَمُوْا اِنَّكُمْ تَسْأَلُوْنَ

یعنی آنے والے کی آمد کا فضاء یہ تھا کہ تم سیکھ لو جبکہ تم نے سوال نہیں کیا مگر تم سے کم علم تو حاصل ہی کرلو۔

ایک دوسری روایت میں ہے: وَالَّذِيْ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ مَا كُنْتُ بِاَعْلَمَ بِهٖ مِنْ زُجَاجٍ يِّنْغُمُ وَاِنَّهٗ لِيَجْزِيَنِي ’۔۔۔ یعنی قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تمہاری طرح میں بھی ان کو پہچان نہ سکا اور حال یہ ہے کہ وہ جبرئیل تھے۔

ایک تیسری روایت میں ہے کہ: ثُمَّ وُلِّيَ فَلَسَّ اَلَمْ يَزِدْ رِيْقَةً قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَبْحَثًا اَللّٰهُ هَذَا جِبْرِيلُ اَتَاكُمْ لِيُعَلِّمَكُمْ دِيْنََكُمْ خُذُوْا مِنْهُ وَاعْتَمِدُوْا الَّذِيْ نَفْسِيْ بِهٖ مَسْبُوْبَةٌ عَلٰى مَبْدِئِ اَنَّا نَبِيْ كُلِّ مَرْتَبَةٍ هَذَا وَمَا عَرَفْتَهُ حَتٰى وُلِّيَ۔ پھر وہ پھر گئے۔ پس جب انکی واپسی کی روش نظر نہ آئی تو نبی ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ یہ تو جبرئیل تھے۔ تو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ تو تم ان باتوں کو ذہن نشین کرلو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ آج سے پہلے وہ میرے پاس جتنی بار آئے کبھی بھی مجھ پر اپنے کو مشغول نہیں کیا اور آج کا یہ حال ہے کہ ان کے پلٹنے سے پہلے میں نے ان کو نہیں پہچانا۔

فائدہ نمبر ۹ کے تحت مؤخر الذکر ان دونوں روایتوں کی طرف اشارہ کر چکا ہے اور اس پر مفصل بحث بھی کی جا چکی ہے اس مقام پر چند وجوہات کی بنا پر ان روایتوں کے ناقابل قبول ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فائدہ نمبر ۱۶ کی ساری بحثوں کو سامنے رکھ کر ان روایتوں کو منزل قبولیت تک پہنچانے کیلئے مندرجہ ذیل کوششیں کی جاسکتی ہیں۔

۱۔۔۔ ان روایتوں میں سلم کی نفی نہیں، صرف توجہ کی نفی ہے اور ظاہر ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علم تو ہوتا ہے مگر توجہ نہیں ہوتی، جس کے سبب معلوم و معروف چیز پردہِ غما میں رہ جاتی ہے۔ اگر سلم کی نفی ہوتی تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ حضرت جبرئیل کے واپس ہوتے ہی آپ اکوفور جان لیتے۔ جب حضور نے صحابہ سے فرمایا، مجھ سے کچھ پوچھو، اسی درمیان میں ایک انجمنی شخص آ کر سوال عرض کرنے لگا اور آپ جواب مرحمت فرمانے لگے۔ تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں آپ کی ساری توجہ کا سوال سننے اور جواب مرحمت فرمانے کی طرف مائل ہو جانا کچھ مستبعد نہیں کہ ایسے وقت میں اس بات کی طرف توجہ کی ضرورت ہی کیا تھی کہ سائل کون ہے۔ مگر جب وہ سوال کرنے والے پہلے اور بار بار کر کے ایک غائب ہو گئے تو معاصر کار کی توجہ سائل کی ذات کی طرف مائل ہو گئی۔ اور آپ نے یہ سمجھ لیا کہ یہ حضرت جبرئیل تھے۔

اسکے برعکس چونکہ صحابہ سے براہِ راست سوال و جواب نہیں ہو رہا تھا لہذا ان کی توجہ ذاتِ سائل کی طرف بھی پوری طور پر تھی کہ آخر یہ کون صاحب ہیں۔ مگر چونکہ انہیں علم نہ تھا تو وہ آخر وقت تک نہ سمجھ سکے کہ یہ آنے والے کون تھے؟

۲۔۔۔ المختصر۔۔۔ نبی کریم کا اڈا سائل کو نہ سمجھ سکتا عدم توجہ کی وجہ سے تھا۔ اور بعد میں فوراً سمجھ لینا سابقہ علم و معرفت کی بنیاد پر تھا اور صحابہ کا آخر وقت تک نہ سمجھ سکتا عدم علم و معرفت کی وجہ سے تھا۔

۲۔۔۔ ہر رسول کیلئے بعثت کے بعد یہ یقیناً لازمی ہے کہ جب سیدنا جبرئیل وحیِ جلیلی یا کوئی خدائی پیغام لے کر ان کی بارگاہ میں حاضر ہوں تو وہ اچھی طرح انہیں پہچان لیں اور اس معرفت میں ذرہ برابر اشتباہ نہ ہو۔ مگر یہ ہرگز ضروری نہیں کہ حضرت جبرئیل اگر وحیِ جلیلی یا کوئی اور خدائی پیغام لانے کے سوا کسی اور مصلحت و نکتہ کے پیشِ نظر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوں اس وقت بھی رسول کی توجہ ان کی طرف ہو۔ اس صورت میں تشتم و السخف جبرئیل اذ اراد انزلو علیہم کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ جب حضرت جبرئیل وحیِ جلیلی یا کوئی خدائی پیغام لے کر کسی رسول پر

نازل ہونے کا ارادہ کرتے ہیں، تو وہ رسول ان کی آمد کی خوشبو اپنی روحانی و ملکوتی توانائی سے محسوس کر لیتا ہے۔ اس مقام پر وہی بجلی سے مراد اللہ کا کلام ہے۔ اللہ کے کلام کے سوا حضرت جبرئیل جو دوسرے پیغامات لے آئے، جو کتاب الہی کا جو نہیں، انکو پیغام الہی کے خانہ میں رکھ دیا گیا ہے۔ اس طرح کے پیغامات کی کافی مثالیں ہیں جنکا ذکر طوالت تحریر کا باعث ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نبی کریم نے جس موقع پر حضرت جبرئیل کی ذات پر توجہ نہیں فرمائی اس موقع پر حضرت جبرئیل نہ تو وحی بجلی لے کر آئے تھے اور نہ ہی کوئی خدائی پیغام لے کر، بلکہ اللہ کے اذن سے انہیں علوم و مسائل کو دہرانے کیلئے آئے تھے، جن کا علم رسول کو اور پھر رسول سے صحابہ کو اچھی طرح حاصل ہو چکا تھا۔

--- الخضر --- حضرت جبرئیل کا مقصود صرف تذکیر اور تجدیدِ علم تھا تو پھر اگر اس ایک موقع پر اور وہ بھی صرف اسی موقع پر حضور نبی کریم کی توجہ کسی سبب سے حضرت جبرئیل کی ذات کی طرف نہ رہی تو اس سے علم رسول کہاں بھجروں ہوتا ہے۔ اور دین کے امور بطریقہ کسی طرح مکمل ہو جاتے ہیں۔

--- الخضر --- اگر فائدہ نمبر ۱۶ کو اس بیان کی روشنی میں دیکھا جائے تو تمام روایات میں توفیق کی مناسب صورت نکل آتی ہے اور کوئی اشکال بھی نہیں رہ جاتا۔

۹۲ --- رواہ مسلم : امام بخاری نے کتاب الایمان کے سوا کتاب التفسیر اور کتاب الزکوۃ میں بھی اس حدیث کا ذکر فرمایا ہے۔ امام بغوی نے اپنی دونوں تالیفوں یعنی مصابیح اور شرح السنۃ کا آغاز اسی مضمون کی حدیث سے کیا ہے۔

بزاز نے اپنی مسند میں بطریق انس بن مالک، ابو اعوانہ اسفرنجی نے اپنی صحیح میں بطریق جریر ابن عبداللہ بن جلی، نسائی نے اپنی سنن میں بطریق ابو ذر غفاری، امام احمد ابن حنبل نے اپنی مسند میں بطریق عبداللہ بن عباس، ترمذی ابن ماجہ، ابوداؤد اور دوسرے محدثین نے بھی اس حدیث کو اپنے اپنے مصنف میں ذکر کیا ہے۔

علامہ قاضی عیاض نے بیج فرمایا کہ یہ حدیث تمام وظائف اور عبادات ظاہری و باطنی کو حاوی ہے۔

۹۳ --- رواہ ابوہریرہ : حضرت ابوہریرہ نے بھی حدیث کی روایت کی ہے۔

(متفقون)

عبارت کی صورت یہ ہوگی مَالِ السَّمْعُوْلِ عَنْهَا بَاغْلَمَ مِنَ السَّائِلِ فِیْ عِلْمِ خُمْسٍ یعنی جس سے سوال کیا گیا ہے وہ ان پانچ امور کے بارے میں (جن میں سے ایک قیامت بھی ہے) سائل سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ فی نفسہ دراصل 'ذُكِرَ اللّٰهُ ذَٰلِكَ فِیْ خُمْسٍ'۔۔۔ یا۔۔۔ تہجد علم ذالک فی خمس ہے۔

یعنی فی خمس کا تعلق جس فعل سے ہے وہ مقدر و محروف ہے اب معنی یہ ہوا کہ علم قیامت کا ذکر اللہ نے ان امور خمسہ میں کیا ہے (جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا) یا علم قیامت کو تو ان پانچوں امور میں پائے گا جن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ تقدیر عبارت یہ ہے الساعۃ ثابتۃ اومعدودۃ فی خمس قیامت ثابت ومعدود ہے ان پانچ امور میں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس آخری صورت کی تائید اس روایت سے بھی ہو رہی ہے کہ 'ھمی فی خمس من الغیب' یعنی وقت قیامت ان پانچ امور کے ساتھ مندرج ومعدود ہے۔ جو امر و غیب سے ہیں۔ (جن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں)

فی خمس میں بعض نے فی کومع (ساتھ) کے معنی میں لیا ہے اور بعض نے من (سے) کے معنی میں لیا ہے۔ (ثم قرأ) یعنی نبی کریم ﷺ نے (فِیْ خُمْسٍ لَا یَعْلَمُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ) فرمایا اور پھر ان آیات کریمہ کی تلاوت کی جن میں ان علوم خمسہ کا ذکر ہے جن کو خدا ہی جانتا ہے۔ یا یہ بھی ممکن ہے قرآن کے فاعل حضرت ابو ہریرہ ہوں، یعنی حضرت ابو ہریرہ نے بطور اشتہاد یا فرمان رسول کے مصداق کو متعین کرنے کی غرض سے ان آیات کی تلاوت فرمائی۔ (متفق علیہ)

یعنی حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ اس حدیث کی جس میں کچھ اضافہ ہے امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے روایت کی ہے۔ اس مقام پر یہ انکشاف یقینی قابل حیرت ہوگا کہ امام بخاری نے اپنی کسی روایت میں اَلْخُمْسُ اِلَیْکُمْ مُلْكُ الْاَرْضِ کا ذکر نہیں فرمایا ہے۔ بلکہ بخاری کی کتاب الایمان کی روایت میں اذا تَطَاوَل رعاة الابل البہم کا فقرہ ہے اور کتاب التئیر کی روایت میں یہ کلمات ہیں۔ اِذَا كَانَ الْخُقَفَاۃُ الْعَرَاۃُ وَمِنَ النَّاسِ فَذَٰلِکَ مِنْ اَشْرَاطِہَا۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ حدیث بھی اصولی طور پر متفق علیہ

نہ رہی۔ اب شاید اس کو متفق علیہ اسلئے کہا گیا ہے کہ اس حدیث کی حضرت ابو ہریرہ سے امام بخاری نے جن لفظوں میں روایت کی ہے وہ اس روایت سے جو حضرت ابو ہریرہ ہی سے امام مسلم نے کی ہے۔ معنوی کامل اتفاق رکھتی ہے۔۔۔۔۔ نیز۔۔۔۔۔ دونوں روایتوں کے کثیر و بیشتر الفاظ بھی ملتے جلتے ہیں۔

۹۳۔۔۔۔۔ فی خمس لا یعلمہن الا اللہ قیامت کا علم ان پانچ امور میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اسی کے تحت فرماتے ہیں۔

’مراد آنست کہ بے تعلیم اللہی بحساب عقل هیچ کس
ایں ہار انداند آنہا از امور غیب اند کہ جزء خدا کسے
آن را نداند مگر آن کہ وہ تعالیٰ از نود خود
کسے را بد انا ند بوحی والہام‘

(بحرہ المصنعات)

ترجمہ۔۔۔۔۔ مراد یہ ہے کہ اللہ کے بتائے بغیر صرف اپنی عقل سے کوئی شخص ان امور کو نہیں جانتا کیونکہ یہ امور غیب سے ہیں ان کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر یہ کہ خود اللہ تعالیٰ کسی کو وحی و الہام کے ذریعہ بتا دے۔

۔۔۔۔۔ حضرت شیخ موصوف ہی لمعات میں فرماتے ہیں:

الْمَرْءُ لَا تَعْلَمُ بِلَدُونِ تَعْلِيمِ اللَّهِ۔۔۔۔۔ مراد یہ ہے کہ اللہ کی تعلیم کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ یعنی جو جانتا ہے وہ اللہ کے بتائے سے ہی جانتا ہے۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب عالم محسوسات کی ظلمتوں سے کنارہ کشی، آئینہ قلب کی کدورات نفسانی سے تطہیر و حق تعالیٰ و عمل پر مواظبت و تحقیق اور انوار الہیہ کے فیضان کے سبب روح قدسی روشن ہو جائے اور انکی نورانیت و اشراق اور چمک دک بڑھے، یہاں تک کہ اس کا نور اتنا قوی ہو جائے جو ساری فضا کے قلب پر چھا جائے۔۔۔۔۔

فَتَنَعَكُم فِيهِ النُّورُ الْمُرْتَسِمَةُ فِي الْوُجُهِ الْمَحْفُوظِ
يَعْلَمُ عَلَى الْغَيْبَاتِ وَيَنْصَرِفُ فِي أَنْجَسَامِ الْعَالَمِ

السَّعْلَىٰ نَبْلُ يَنْجَلَىٰ - جَنِيْدُ الْفَيَاضِ الْقُدْسُ
بِمَعْرِفَةِ الْيَحْيَىٰ هِيَ أَشْرَفُ الْعَطَايَا فَكَيْفَ بَعَثَهَا
(مرقات)

--- تو پھر قلب پر لوح محفوظ کے نقوش کا کس آتا ہے اور آدمی مغیبات پر مطلع ہوتا ہے اور عالم
سُغْلٰی کے اجسام پر تصرف کرتا ہے بلکہ اس وقت فیاضِ اقدس خدائے تعالیٰ کی معرفت کا آشکاف
ہوتا ہے جو کہ بہترین نعمت ہے۔ تو دیگر اشیاء کا (آشکاف) کس شمار میں ہے۔
--- ملا علی قاری ہی فرماتے ہیں:

فَمَنْ أَذْهَبَ عِلْمَهُ شَيْءٌ مِنْهَا غَيْرَ مُسْتَنَدٍ إِلَيْهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ كَانَ كَذَائِبًا فِي دَعْوَةِ (مرقات)
جو شخص ان یا کچھ چیزوں میں سے کسی چیز کے علم کا دعویٰ کرے
ضرور اکرم ﷺ کی طرف نسبت کئے بغیر وہ اپنے دعویٰ میں بھوٹا ہے۔

ان امور میں سے کسی ایک چیز کا بھی علم کسی کو واسطہ ہی کریم کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ یہی
ملا علی قاری مرقات ہی میں کتاب عقائد مؤلفہ عن عبد اللہ شیرازی سے نقل فرماتے ہیں۔
نَعْتَقِدَنَّ الْعَبْدُ يُنْقَلُ فِي الْأَحْوَالِ إِلَى نَعْتِ الرُّوحَانِيَةِ فَيَعْلَمُ الْغَيْبِ
ہمارا عقیدہ ہے کہ بندہ ترقی، مقامات یا کرمات روحانی تک
پہنچتا ہے اس وقت اسے علم غیب حاصل ہوتا ہے۔

--- نیز۔۔۔ کتاب عقائد ہی سے نقل کرتے ہیں:
يَطْلُعُ الْعَبْدُ عَلَى حَقَائِقِ الْأَشْيَاءِ وَيَسْجُلِي لَهَا الْغَيْبِ وَعَيْنُ الْغَيْبِ
(انوار ایمان کی قوت بڑھنے پر) بندہ حقائقِ اشیاء پر مطلع ہوتا ہے
اور اس پر صرف غیب ہی نکلتی غیب الغیب روشن ہو جاتا ہے۔

--- اور یہی ملا علی قاری اسی مرقات میں فرماتے ہیں:
الْأَنَسُ يُنْقَسِمُ إِلَى فِطْرَتِكَ الْغَالِبِ كَالْمُشَاهِدَةِ وَهُمُ
الْأَنْبِيَاءُ وَالْأَيُّ مِنَ الْغَالِبِ عَلَيْهِمْ مَتَابَعَةُ الْمُحْسِنِ وَالْوَهْمُ
فَقَطُّ أَكْثَرُ الْخَلَائِقِ فَلَا يَكُنْ لَهُمْ مِنْ مَعْلَمٍ يَكْشِفُ لَهُمْ
الْمُغَيَّبَاتِ مَا لَهُمُ إِلَّا النَّبِيُّ الْمُبْعُوثُ لِهَذَا الْأَمْرِ -
آدمیوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ذریعہ جو غیب کو شہادت کی طرح جانتے ہیں
اور وہ انبیاء ہیں۔ دوسرے وہ جن پر صرف کس وہ ہم ہی چیز کی غالب ہے۔

اکم مخلوق اسی قسم کی ہے تو ان کو ایک بتانے والے کی ضرورت ہے
جوان پر شیوں کو کھولے اور وہ بتائے والا اسوائے نبی کے
اور کوئی نہیں جو اسی کام کیلئے بھیجا جاتا ہے۔

یہ مقام اس بات کا تحمیل نہیں کہ میں مسئلہ غیب نبی کے تمام مالہ و باعلیہ کو مفصل طور پر
بیان کروں۔ اس مسئلہ سے متعلق جن کو اطمینان بخش معلومات چاہئے وہ الکلمۃ العلیا، مصنفہ
صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان کا غیر متعقبانہ اور
منصفانہ مطالعہ کریں۔

--- ہاں ہر --- مناسب سمجھتا ہوں کہ چند ایسی باتیں سامنے رکھ دوں جنہیں اصولی
اور بنیادی حیثیت حاصل ہے اور جنہیں سمجھ لینے کے بعد عقیدہ علم غیب نبی کی شرعی صورت سامنے
آ جاتی ہے۔ --- نیز --- مسئلہ علم غیب پر فوراً غور و فکر کرنے کی ایک راہ ملتی ہے۔
عقائد و مسائل کی تین نوٹیں ہیں:

(الف) --- ایک تو وہ جو ضروریات دین سے ہوں، انکا منکر بالافتاق دائرہ اسلام
سے خارج ہے۔

(ب) --- دوسرے وہ جو ضروریاتِ اہلسنت و جماعت سے ہوں، ان کا منکر
بالافتاق دائرہ اہلسنت سے باہر اور بد مذہب و مگراہ ہے۔

(ج) --- تیسرے وہ جو خود علمائے اہلسنت کے مابین مختلف فیہ ہوں، انکے انکار
کرنے والوں کو بھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور اقرار کرنے والوں کو بھی، یعنی طرفین میں کسی پر کفر یا
مگراہی کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اپنی ذاتی تحقیق یا اپنے معتز علمائے تحقیق پر اعتماد و مجروحہ کرتے ہوئے
جرح و محض کو یہ حق حاصل ہے کہ جس قول کو راجح سمجھے اس کو اپنالے۔ اس پر کسی طرح کا کوئی الزام نہیں۔
ہاں جو برائے عناوین مخالف ہیں، وہ ضرور مجرم ہیں۔

--- شائد --- يَلْبَسُهُ فَوْقَ ثِيَابِهِمْ کو وکیل بنا کر اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ کا ہمارے
ہاتھ کی طرح ہاتھ ہے، تو وہ قطعاً کافر ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا ہمارے جیسے ہاتھ سے پاک ہونا
ضروریات دین سے ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ اس کا یہ جسم ہی سے ہے مگر اجسام کی مشابہت سے
پاک و منزہ ہے، وہ مگراہ اور بدوین ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم و جسمانیات سے مطلقاً پاک و منزہ

ہونا ضروریات عقائد اہلسنت وجماعت سے ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے اللہ تعالیٰ کیلئے یہ ہے لیکن مطلقاً جسمیت سے بری و بری ہے، وہ اسکی ایک صفت قدیمہ ہے۔ جس کی حقیقت ہم نہیں جانتے۔ اور نہ اس میں تاویل کرتے ہیں، وہ قطعاً مسلمان کی صحیح العقیدہ ہے۔ اگرچہ یہ عدم تاویل کا مسئلہ اہلسنت کا خلاف ہے، مگر خرنے نے تاویل اختیار کی ہے۔

۔۔۔ المختصر۔۔۔ نہ تاویل سے بچنے والوں کو گمراہ کہا جائے گا اور نہ تاویل کرنے والوں کو۔ دونوں ہی صحیح العقیدہ ہیں۔

اس مثال کو سمجھ لینے کے بعد آئیے مسئلہ علم غیب کو ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں بھی تینوں صورتیں ملتی ہیں:

(۱)۔۔۔ اللہ عزوجل ہی عالم بالذات ہے۔ بے اس کے بتائے ہوئے ایک حرف کوئی نہیں جان سکتا۔ رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض غیب کا علم دیا۔ رسول اللہ ﷺ کا علم اوروں سے زیادہ ہے۔ یہ وہ امور ہیں جن کو ماننا ضروریات دین سے ہے۔ اور ان کا منکر اور اس میں ادنیٰ شک کرنے والا قطعاً کافر ہے۔

(۲)۔۔۔ اولیائے کرام کو بھی رسولوں کی وساطت سے علوم غیب ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں خصوصاً سید اکبر محمد ﷺ کو غیب فرسہ سے بہت سے جزئیات کا علم بخشا۔ ان امور مذکورہ پر عقیدہ ضروریات اہلسنت سے ہے، چنانکہ منکر بد مذہب و گمراہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو تینوں وقت قیامت کا بھی علم ملا۔

(۳)۔۔۔ حضور کو بلا استثناء صحیح جزئیات میں علم ہے، جملہ مکونات ظہر و مکتوبات لوح۔۔۔ الحاصل۔۔۔ روز ازل سے روز آخر تک تمام کا ان و ماکون جو لوح محفوظ میں

مندرج ہے اس سے بھی بہت زیادہ کا علم ہے۔ لوح محفوظ میں قیامت کے سوا تمام امور فرسہ کا ذکر ہے۔ اور ایک قول پر قیامت کا بھی ذکر ہے۔ الغرض۔۔۔ رسول کریم کو ان سب کا علم ہے۔ نبی کریم کو حقیقت روح کا بھی علم ہے۔۔۔ نیز۔۔۔ جملہ تشابہات قرآنیہ کا بھی علم ہے۔ یہ وہ امور ہیں جن میں خود علماء و ائمہ اہلسنت مختلف رہے ہیں۔

مگر انکے اختلاف اخلاص و تحقیق پر مبنی ہیں جہاں انھیں وعناد کا گزر نہیں۔ ان علمائے

کرام کے اختلاف کو ان معاندین کی مخالفت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا جو تقدیس رسالت کی نفی ہی کو توحید الہی سمجھتے ہیں۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ یہ رہے تین خانے: پہلا خانہ ان عقائد کا ہے جو ضروریات دین سے ہے۔ اس خانے کے ہر ہر عقیدے کا ثبوت ایسی دلیل سے ہونا چاہئے جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہوں۔

قطعی الثبوت کا مطلب یہ ہے کہ انکا ثبوت قرآن مجید یا ایسی احادیث ہوں جو متواتر ہوں یعنی چند روایت کرنے والے حضور ﷺ سے لیکر آج تک ہر زمانہ ہر فرقہ میں مختلف طبقات اور مختلف شہروں کے لوگ اس کثرت سے رہے ہوں کہ ان سب کا محض پراخفاق کر لینا محال سمجھا جائے۔ اور قطعی الدلالت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو عبارت قرآن کریم میں اس حکم کے متعلق واقع ہوئی ہے، یا حدیث متواتر سے ثابت ہوتی ہے وہ اپنے معنی دوسرا کو صاف ظاہر کرتی ہو۔ اس میں کسی قسم کا الجھاؤ اور ابہام نہ ہو۔

دوسرا خانہ ہے ان عقائد کا جو ضروریات الہست سے ہیں۔ اس خانہ کے کسی عقیدے کے ثبوت کیلئے دلائل میں ایسی قوت دہنائی کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے جو قوت دہنائی پہلے خانہ کے عقیدوں کے ثبوت کیلئے درکار ہے۔ بلکہ اس خانہ کے عقائد کو صحیح ثابت کرنے کیلئے وہی دلائل کافی ہیں جن سے حق غالب حاصل ہو جاتا ہے۔

تیسرا خانہ ان عقائد کا ہے جو باب فضائل سے متعلق ہے۔ انکے ثبوت کیلئے تو حدیث ضعیف بھی مستعمل ہو سکتی ہے۔ یعنی اس تیسرے خانہ میں جو عقیدے آتے ہیں انکو ثابت کرنے والے دلائل میں اس قوت دہنائی کی ضرورت نہیں جو دوسرے خانہ والے عقیدوں کو ثابت کرنے والے دلائل میں ضروری ہے۔

اس مختصری گفتگو کو نظر میں رکھ کر اب دیکھئے کہ مسئلہ علم غیب سے متعلق کونسے عقیدے کس خانے میں آتے ہیں اور پھر اسکے بعد تجزیہ کیجئے علمائے ملت اسلامیہ کے ان دلائل کا جو ہر ہر خانہ کے عقائد کے ثبوت کیلئے وہ دیتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس تجزیہ کے بعد نہ تو آپ اپنی فریب خوردگی کے اسیر ہو گئے اور نہ اسکی فریب دہی کا شکار ہو گئے جو ہر ہر خانہ کے عقیدوں کے ثبوت کیلئے

ذیل قطعی (قطعی الثبوت و قطعی الدلالت) ہی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور لطف تو یہ ہے کہ اپنے محرمات و بدعتیہ کی کے ثبوت کیلئے اپنے قیاس فاسد پر ایسا مجبور نہ کر لیتا ہے گویا اس کا قیاس ہی نفس قطعی ہے۔ عقائد کے تجزیہ کے بعد آپ پر یہ بھی اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ علما نے ملت اسلامیہ کے مابین عقیدہ علم غیب نبی سے متعلق اگر کوئی اختلاف ہے تو وہ انھیں عقائد میں ہے کہ جن کا تعلق دوسرے خاندان والے عقیدوں سے ہے لہذا ان کی آپس کی اختلافی تحریریں معائنہ کیلئے ہرگز سودمند نہیں۔

اب آئیے ایک دوسری اصولی بات ملاحظہ فرمائیے۔۔۔۔۔

خدا تعالیٰ کا علم اور اس کی ہر ہر صفت ذاتی ہے، یعنی کسی کی عطا سے نہیں۔ جو خدا کی کسی صفت کو ذاتی نہ مانے یا عطا کی کہے وہ بالافتقار کا فر ہے۔ اب خدا کیلئے جس صفت کو بھی ثابت کیا جائے گا خواہ وہ ثابت کرنا بالافتقار خدا سے تعالیٰ ہو یا کوئی اور، بہر صورت وہ صفت ذاتی ہی ہوگی، خواہ لفظی میں ذاتی کی قید ظاہر ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح اگر آپ کسی صفت کی کسی غیر خدا سے نفی کر کے اس کو خدا کیلئے ثابت کریں گے تو یقیناً اور بدہمت وہ صفت وہی ہوگی جو خدا کیلئے ثابت ہو سکے، یعنی صفت ذاتی۔۔۔۔۔ الخضر۔۔۔۔۔ جس شان کی صفت کا خدا کیلئے ثبوت ہوگا اس شان کی صفت کی غیر خدا سے نفی کی جائے گی۔

۔۔۔۔۔ الحاصل۔۔۔۔۔ اگر بعض نصوص میں علم غیب کی ساری مخلوق سے نفی کر کے اس کو صرف خدا کی ذات کیلئے ثابت کیا گیا ہے، یقیناً ان نصوص میں ساری مخلوق سے اسی علم غیب کی نفی ہے جو ذات خدا کیلئے ثابت ہو سکے اور وہ ہے علم غیب ذاتی۔۔۔۔۔ الغرض۔۔۔۔۔ ساری مخلوق سے نفی اسی علم غیب ذاتی کی ہے اور خدا کیلئے ثبوت اسی علم غیب ذاتی کا ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ نفی کی آیات میں ساری مخلوق سے علم غیب عطا کی نفی کر کے اسی کو خدا کیلئے ثابت کیا ہے تو وہ شخص بالافتقار دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔

۔۔۔۔۔ الخضر۔۔۔۔۔ جہاں جہاں علم غیب کی نفی ساری مخلوق سے کر کے اس کو صرف خدا کیلئے ثابت کیا گیا ہے۔ وہاں وہاں علم غیب سے مراد ذاتی علم غیب ہی ہے۔ اسلئے کہ ذاتی علم غیب ہی خدا کیلئے ثابت ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ نیز۔۔۔۔۔ جن نصوص میں غیر خدا سے مطلقاً علم غیب کی نفی کی گئی ہو اور بس اس میں بھی علم غیب سے مراد علم غیب ذاتی ہے اسلئے کہ بعض مخلوق کیلئے بعض علوم

غیب کا ثبوت دلیل قطعی سے ثابت ہے۔ یہاں تو مجھے صرف اصولی گفتگو کرنی ہے اسلئے دلائل سے چھیڑ چھاڑ نہیں کر رہا ہوں۔

اب تیسری اصولی بات ملاحظہ فرمائیے۔۔۔۔

۔۔۔ مثلاً۔۔۔ اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ غیب کی وہ پانچ باتیں جن کو امور خسرہ، غیب خسرہ کہا جاتا ہے اللہ نے انکا بعض علم نبی کریم کو عطا فرمایا ہے۔ اب اسکا رد کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ پہلے مندرجہ ذیل امور کو دلائل و براہین کی روشنی میں ثابت کرے، ورنہ اسکی بات ناقابل قبول ہوگی۔

(۱)۔۔۔ یہ پانچ غیب کی باتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کسی کو بتانے پر قادر نہیں ہے۔

(۲)۔۔۔ اللہ تعالیٰ بتانے پر قادر تو ہے مگر اسکے بتانے اور مطلع کرنے پر بھی کوئی ان غیب کی باتوں پر مطلع نہیں ہوتا۔

(۳)۔۔۔ اللہ غیب کی ان باتوں کو بتانے پر قادر تو ہے مگر کسی کو بتانا نہیں اور مطلع نہیں کرتا۔

(۴)۔۔۔ اللہ تعالیٰ غیب کی دوسری باتوں پر مطلع تو کرتا ہے مگر ان پانچ چیزوں کے کسی بعض پر بھی کسی کو مطلع نہیں کرتا۔

مذکورہ بالا ان چار باتوں میں سے پہلی بات کا اعتراف اِنَّ اللہ علیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر کا انکار ہے۔ دوسری بات کا اعتراف اپنی جہالت کے اعتراف کے مترادف ہے۔ تیسری بات کا اعتراف ارشادِ ربانی۔۔۔۔

فَلَا یُظْهِرُ عَلَی غَیْبِہٖ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَن ارْتَضٰ مِنْ رَّسُوْلٍ

﴿سورہ النجم: ۲۶﴾

تو نہیں کھلے گا غیب پر کسی کو مگر جسے چاہے اللہ اور اس سے

﴿معارف القرآن﴾

۔۔۔ کے خلاف عقیدہ سازی ہے اور چوتھی بات کا اعتراف ان تمام احادیث صحیحہ و چلیخ کرنا ہے۔ جنہوں نے نبی کریم کیلئے غیب خسرہ کے بعض جزئیات کے علم کے اعتراف کو ضروریاتِ اہلسنت سے قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس طرح کا چلیخ کسی ہدایت یافتہ کی طرف سے ہوش و حواس کی سلامتی کے ساتھ ناممکن ہے۔ یہ تھے میرے اصولی مفروضات۔ مسائل کو سمجھنے میں جو انکی رعایت کرے گا، انشاء اللہ بہت سارے مغالطوں سے بچا رہے گا۔

”گزارش“

اس ادارے کی سب سے اہم اشاعت ”معارف القرآن“ ہے جو کہ قرآن حکیم کا اردو میں نہایت شاندار ترجمہ ہے۔ اور ہماری دوسری شائع کی ہوئی کتابیں بلا ہدیہ ہیں جو کہ صرف ڈاک کا خرچہ ارسال کر کے ہم سے منگوائی جاسکتی ہیں۔ گزارش ہے کہ دین کا زیادہ سے زیادہ علم خود بھی حاصل کریں اور اپنے اہل خانہ کو بھی بہم پہنچائیں۔ اُردو، انگلش اور دوسری زبانوں میں اسلامی لٹریچر فراہم کرنا اس ادارے کا ایک اہم مقصد ہے۔ ہمارے دیئے گئے نمبروں پر فوراً ہم سے رابطہ قائم کیجئے۔

ادارہ



’تصدیق نامہ‘

میں نے گھول اسلامک مشن، ہیک، نیویک، ہٹسڈے کی کتاب ہٹام

تعلیم دین و تصدیق جبرائیل ابن

کی طاعت کے وقت اسکے ہر صفحہ کو حرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیات کریمہ اور احادیث
شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفکیٹ درنگی اور اشاط
سے پاک ہونے کا ہے۔ دوران طاعت اگر کوئی ذریعہ زیر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ
چھپائی میں شراب ہو جائے تو اسکا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔۔۔ علاوہ ازیں
۔۔۔۔۔ کتاب خدا میں کوئی مضمون، ملک و ملت کے خلاف نہیں ہے۔

فقط

المصدق



مجلس شورای اسلامی ایران

Syed Mohd. Azmat Ali Noori
Research & Registration Officer
Islamabad, Pakistan

سید محمد عظیم علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(کتابخانہ اسلامیہ) لاہور

گھول اسلامک مشن، ہیک
نیویک، ہٹسڈے

معارف القرآن

ترجمہ اردو

مترجم: مخدوم الامام احمد حضور سید محمد محدث اعظم ہند

آسان، بہترین اور انوکھا ترجمہ قرآن جسکے بارے میں اہل حضرت

احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ 'شہزادے تم نے اردو میں قرآن لکھا ہے'۔۔۔



سید التفسیر تفسیر الشرفی

المعروف بہ

چالیس احادیث
مبارک کی حقیقتات
مفصل شرح

الابرعین الشرفی

تفسیر



سید محمد امجد علی شری نجی

علماء حق کی سرپرستی میں رد ال دواں



المستودع جماعت کا ایک ہنگامہ روشن ستارہ

Mailing Information:

P.O. Box 100
Wingdale, NY 12594
U.S.A.

گلوبل اسلامک میشن
گلوبل اسلامک میشن

Contact Information:

Toll Free: (800) 786-9209
www.globalislamicmission.com
GIMUSA@GMAIL.COM

ہنگامہ روشن ستارہ